

کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

افادات

خادمِ قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری

شائع کردہ

مکتبہ حلیمیہ، سائٹ، کراچی

پی او بکس:75700 فون نمبر:021-2562424

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باری تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اس ناچیز کو درسِ قرآن کی سعادت عطا فرما رکھی ہے، اہم ترین درس تو وہ ہے جو مدنی مسجد نارتھ ناظم آباد میں ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد ہوتا ہے اور جسے بعد میں انٹرنیٹ پر بھی نشر کیا جاتا ہے۔

www.darsequran.com اس وقت مقبول ترین ویب سائٹ شمار ہوتی ہے، جس کا 50 سے زائد ممالک سے گزشتہ 3 سالوں میں 30 لاکھ مرتبہ وزٹ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ہر انگریزی مہینے کے دوسرے اتوار کو القرآن کورسز سینٹر بہادر آباد میں درس ہوتا ہے جس میں دو سے تین ہزار خواتین وحضرات شریک ہوتے ہیں۔

اس درس کے لیے کسی علمی اور فکری موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے، اب تک درسِ قرآن کی اہمیت، فرقہ واریت کے نقصانات، حجیتِ حدیث، منکرین حدیث کے مشہور اعتراضات، غیر مسلم سے تعلقات کی قرآنی حدود، زکوٰۃ ...... فضائل ومسائل، سچائی کی تلاش، تعددِ ازواج اور کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟ جیسے موضوعات پر درس دیا جاچکا ہے، اگرچہ کیسٹ کی شکل میں تو یہ دروس محفوظ کر ہی لیے جاتے ہیں تاہم تحریر کی اپنی افادیت اور اہمیت ہے اس لیے ان میں سے اکثر دروس کو میں نے از خود اور بعض کو دوسرے دوستوں نے کتابچوں کی شکل میں ترتیب دینے کا ارادہ کیا ہے۔

اس سلسلہ کی پہلی کاوش پیشِ خدمت ہے، انشاءاللہ بہت جلد چند دوسرے کتابچے بھی شائع کر دیے جائیں گے۔

محتاجِ دعا

محمد اسلم شیخوپوری

کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿لا إکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی﴾

صدق اللہ العظیم

بزرگو اور دوستو، بہنو اور بیٹیو! آج کی اس فکری نشست کے لیے منتظمین نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ اشتہار کے ذریعے آپ کے علم میں آچکا ہے یہ موضوع ایک سوال کی شکل میں ہے یعنی یہ کہ "کیا دنیا میں اسلام تلوار سے پھیلا؟" یہ سوال بہت پرانا ہے اور اس کے جوابات بھی عرصہ دراز سے علماءِ کرام دے رہے ہیں، میری ناقص سوچ کے مطابق اس سوال کو اچھالنے میں مستشرقین کی کوششوں کا خصوصی دخل ہے، مستشرقین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنہوں نے مشرقی اور اسلامی علوم اور تاریخ میں مہارت حاصل کی، یہ لوگ کتاب وسنت سے گہری واقفیت رکھتے ہیں، ان میں سے بعض عربی زبان اور فقہ وغیرہ میں بھی بڑے ماہر ہوتے ہیں، تاریخ کے مدوجزر پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے، ظاہری طور پر یہ اپنے بارے میں خالص علمی انسان ہونے کا تاثر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو غیر متعصب باور کراتے ہیں، قرآن کی ادبیت، فصاحت، تاثیر، تازگی اور جامعیت کا اقرار کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی تعلیم وتربیت کے انداز، شجاعت وبسالت اور تاریخی انقلاب کی بڑی

تعریف کرتے ہیں لیکن چلتے چلتے درمیان میں کوئی ایسی بات لکھ جاتے ہیں کہ دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں، یہ کام صرف مستشرقین اور ان مصنفین نے نہیں کیا جنہوں نے مذہب اور تاریخ کے موضوع پر کام کیا ہے بلکہ سائنس، میڈیکل اور ادب کے موضوع پر لکھنے والوں نے بھی اپنے قارئین کے ذہنوں میں کانٹوں کی فصل کاشت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مولانا دریا آبادی:

میں اکثر مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمہ اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہوں یہ بڑے ذہین، صاحب علم اور مذہبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مگر ایک وقت ایسا آیا کہ مذہب سے متنفر اور بیزار ہو گئے، انہیں مذہب سے دور کرنے میں مغربی دانشوروں کی کتابوں کا بڑا ہاتھ تھا چونکہ مطالعہ کے شوقین تھے اسلئے جس موضوع پر بھی کوئی کتاب ہاتھ لگتی یہ اسے پڑھ ڈالتے، انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے جب ڈاکٹر دریسڈی کی کتاب Elemetsofsocial Science کا مطالعہ کیا تو دل میں مذہب اور اخلاقیات کے بارے میں شکوک پیدا ہو گئے۔

عین اسی زمانہ میں لکھنو کی لائبریری میں Tional library of Famous Literature in Terna کے نام سے کتاب دیکھی جس میں دنیا کے ادبیات کے بہترین انتخابات کو جمع کیا گیا ہے، اس کی ایک جلد میں قرآن اور اسلام کا ذکر ہے، اسی جلد میں بانی اسلام کا فوٹو بھی پورے صفحہ کا دیا گیا ہے جس کے نیچے مستند حوالہ درج ہے کہ فلاں قلمی تصویر کا یہ عکس ہے، تصویر یوں تھی کہ ایک عرب کے جسم پر عبا، سر پر عمامہ اور چہرہ مہرہ پر بجائے کسی قسم کی نرمی کے، تیوروں پر خشونت سے بل پڑے ہوئے، ہاتھ میں کمان، شانہ پر

ترکش، کمر میں تلوار، نعوذ باللہ جلاد قسم کے بدوی سردار کی تصویر۔ چونکہ مغرب کی تحقیق پر اندھا اعتماد تھا اس لیے دل نے کہا کہ حضور کے کرم اور رحمت کے سارے قصے تو بے اصل تھے، حقیقت تو آج معلوم ہوئی۔

اس کے بعد ڈاکٹر ماڈسلی کی کتاب مرضیاتِ دماغی دیکھی جس میں نفسیاتی بیماریاں بیان کرتے ہوئے اچانک اس نے مثال میں وحی محمد کا ذکر کیا ہے اور آپ کا نام لکھ کر وہ کہتا ہے کہ بعض اوقات پاگل بھی بڑے بڑے کارنامے انجام دے دیتے ہیں۔

میں یہ بتا رہا تھا کہ ''تلوار کے زور پر اسلام کی اشاعت'' کا پروپیگنڈا کرنے میں مستشرقین کی کوششیں کسی سے کم نہیں، یہ پروپیگنڈا آج بھی ہو رہا ہے مگر آج الفاظ بدل دیے گئے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ پوری دنیا میں تشدد کا ذمہ دار اسلام اور قرآن ہے۔

روشن خیالی:

میں ''روشن خیالی'' کے نام پر ''تاریک خیالی'' پھیلانے والے اپنے مسلمان بھائیوں کی خوابیدہ غیرت بیدار کرنے کے لیے سنا رہا ہوں کہ وہ غور فرمائیں ان کی کتاب مقدس نبی محترم ﷺ کے خلاف کیسی گندی زبان استعمال کی جا رہی ہے، میں نے 20 نومبر کے روزنامہ جنگ کے ادارتی صفحہ میں پاکستان کے ایک مشہور صحافی کا کالم پڑھا، اس صحافی کو امریکہ کے ایک شہر لاس ویگاس میں ہونے والی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، جس کا موضوع تھا ''اسلامی شدت پسندی کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟'' مگر اس موضوع پر بات کرنے کی بجائے اکثر مقررین نے قرآن، اسلام اور پیغمبر اسلام کو تنقید کا ہدف بنایا، ڈاکٹر بروس جو نیویارک پولیس کا مشیر ہے اس نے کہا قرآن مسلمانوں کو جھوٹ بولنے کی ترغیب دیتا ہے۔

پینٹاگون میں اسلام پر لیکچر دینے والے رابرٹ سپنسر نے کہا اسلام کوئی دین نہیں دنیا میں بڑھتے ہوئے تشدد کی وجہ قرآن ہے، جب تک مسلمان قرآن کو نہیں بدلیں گے روشن خیال نہیں ہو سکتے۔

بگڑی ہوئی شامی خاتون جسے نیوز ویک نے 2006 کی سب سے طاقتور شخصیات میں سے ایک قرار دیا ہے اس نے کہا ''ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو روشن خیال بنانے کے لیے ضروری ہے کہ محمد (ﷺ) کے توہین آمیز کارٹون بار بار شائع کیے جائیں، جب مسلمان احتجاج کرنا چھوڑ دیں گے تو ہمیں ان کے ماڈرن ہونے کا یقین آجائے گا۔''

کانفرنس ہال کے باہر ڈاکٹر رابرٹ مور کے کتابچے فروخت ہو رہے تھے جو نبی کریم ﷺ کے خلاف گالیوں سے بھرے ہوئے تھے۔

کالم نگار کہتا ہے کہ رابرٹ سپنسر نے میری طرف بار بار اشارہ کرتے ہوئے کہا جو مسلمان قرآن کو جھٹلانے کی ہمت نہیں رکھتا ہم اسے ماڈرن تسلیم نہیں کر سکتے، جس پر میں نے کہا ''تم ہمیں ماڈرن سمجھو یا نہیں سمجھو ہم قرآن کو جھٹلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

یہ ہے وہ روشن خیالی جسے اہلِ مغرب، مسلمانوں میں عام کرنا چاہتے ہیں۔

متعصب دیوانے:

تلوار سے اسلام کی اشاعت اور قرآن کو تشدد پھیلانے کا ذمہ دار ٹھہرانے کا پروپیگنڈا بھی انہی ''تاریک خیالوں'' کا ہے جو روشن خیال ہونے کے دعویدار ہیں، یہ وہ انتہائی متعصب لوگ ہیں جو اسلام کی تیز ترین اشاعت کو دیکھ کر پاگل ہو گئے ہیں، یہ پاگل پن آج سے نہیں، بہت پرانا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں بڑے مذاہب چھ ہیں، بدھ، ہندو، زرتشت،

یہودیت، عیسائیت اور اسلام پہلے پانچ مذاہب کے مقابلہ میں اسلام سب سے کم عمر مذہب ہے، اسلام پر وہ محاورہ صادق آتا ہے کہ "وہ آیا اس نے دیکھا اور فتح کرلیا" نبی کریم ﷺ کی وفات کو ابھی سو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ اسلام دنیا کے تین براعظموں میں پھیل گیا، سب سے پہلے شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ اور ایران نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا، پھر مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے نام لیوا اسپین تک جا پہنچے اور مشرق میں اس کی تعلیمات کی خوشبو دریائے سندھ کو عبور کرگئی، صرف سو سال کے اندر مسلمانوں کی حکومت روم اور ایران کی حکومتوں سے کہیں زیادہ وسیع، طاقتور اور خوشحال ہوچکی تھی، جس کے عدل امن و سلامتی، رواداری، علم پروری اور استحکام کے چرچے بچے بچے کی زبان پر تھے۔

میں صرف کل کی کامیابی کی خبریں سنا کر آپ کو خوش کرنا نہیں چاہتا، میں آج کی دنیا پر بھی نظر ڈالتا ہوں تو دنیا میں سب سے زیادہ قبول کیا جانے والا مذہب اسلام ہی ہے، چند دن پہلے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ یورپ میں روزانہ پانچ سو افراد اسلام قبول کر رہے ہیں، جرمنی کے ایک بہتر سالہ پادری نے اسلام قبول کرنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر اپنے آپ کو زندہ جلالیا، ایسے متعصب دیوانوں کو کہا جاسکتا ہے، ﴿ موتوا بغیظکم ﴾ "اپنے غصے میں مرجاؤ" اور یہ کہ ﴿ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ﴾ "اللہ اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا اگرچہ کافر ناپسند کریں۔"

ریڈرز ڈائجسٹ المانک برائے 1984ء میں مذاہب کے پھیلاؤ کے بارے میں ایک مضمون شائع ہوا بعد میں یہی مضمون "دی پلین ٹرتھ" نامی جریدے میں بھی شائع ہوا اس میں اقرار کیا گیا کہ گزشتہ پچاس سال کے عرصے میں اسلام کا پھیلاؤ 235 فیصد رہا جبکہ عیسائیت کا پھیلاؤ 47 فیصد رہا۔

غلط فہمی:

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعداد عیسائیوں کی ہے اور مسلمان دوسرے نمبر پر ہیں مگر میں اسے ایک غلط فہمی قرار دیتا ہوں اس لیے کہ مغربی ممالک کا حال یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت مذہب سے باغی ہو چکی ہے نہ وہ خدا کا وجود تسلیم کرتے ہیں، نہ وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ نبوت ورسالت اور آسمانی تعلیم پر یقین رکھتے ہیں، وہ اپنی شہوت پرستی اور مادیت پرستی میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتے خواہ وہ خدا ہی کیوں نہ ہو، ایسے لوگوں کو یقیناً خود عیسائی بھی عیسائی نہیں مانتے، جب کہ مسلمان اگر چہ عملی اور اخلاقی اعتبار سے کمزور ہی کیوں نہ ہوں کم از کم ان بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں جن کے بارے میں تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات مشترک ہیں اس لیے میرا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔

ایک بڑا سبب:

قبولِ اسلام کے علاوہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافے کا ایک سبب توالد وتناسل کی کثرت بھی ہے، یہ حقیقت ہے کہ شہوت پرستی کو مقصدِ زندگی بنالینے کی وجہ سے مغربی عورت اور مرد اولاد کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتے، وہ بچوں کی ولادت کو اپنی آزادی کے راستے میں بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اس لیے اول تو وہ بچے پیدا ہی نہیں کرتے اگر پیدا کریں تو ایک دو بچوں سے آگے نہیں بڑھتے انہوں نے ہمارے ہاں بھی یہ تحریک چلانے کی کوشش کی، خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ جس کے لیے وہ اربوں روپے امداد دیتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ بچے پیدا نہ کیے جائیں اور اگر بہت زیادہ خواہش ہو تو ایک دو بچوں سے دل بہلایا جائے، آپ کو ہر چوراہے پر ''بچے دو ہی اچھے'' کا سلوگن دکھائی دے گا لیکن زیادہ تر

مسلمان اس نعرے سے متاثر نہیں ہوتے، وہ نہ صرف زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں بلکہ اس نیت سے پیدا کرتے ہیں کہ یہ بڑے ہو کر اسلام کے مبلغ، خادم اور مجاہد بنیں اور پوری دنیا میں اسلام کا جھنڈا بلند کریں، میں ایک ایسے مسلمان کو جانتا ہوں جو امریکا میں رہتا ہے اور اس کے تیرہ بچے ہیں ان میں سے گیارہ بچے دین کا علم حاصل کر رہے ہیں میرے سامنے ایک دن وہ اپنے بچوں سے کہہ رہا تھا تم نے امریکہ کو مسلمان کرنا ہے۔

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، اسلام کے ساتھ ان کی قلبی وابستگی اور دعوت کے جوش نے پوری دنیا کے اسلام دشمنوں کو پاگل کر دیا ہے، ان سے جب دائرۂ اسلام کی وسعت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، بعض مسلمان بھی ان کے جھوٹے پروپیگنڈے سے متاثر ہو جاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

اجازت ہی نہیں:

میں بڑے ادب سے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ نہیں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اس لیے کہ خود اسلام کسی کافر کو قبولِ اسلام پر مجبور کرنے کے لیے تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا، آپ پورے قرآن سے ایک آیت اور ذخیرۂ احادیث میں سے ایک حدیث پیش نہیں کر سکتے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی کا مذہب اور نظریہ تبدیل کرنے کے لیے تلوار اٹھنے کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اور مسلمانوں کی ذمہ داری صرف دعوت وابلاغ ہے، اس سے آگے بڑھ کر کسی کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے، میں چند آیات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جن سے میرے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت 256 آپ نے بارہا سنی ہوگی، میں نے خطبہ میں بھی یہی آیت کریمہ تلاوت کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لا إكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي ﴾

''دین میں کوئی جبر نہیں، تحقیق ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح ہو چکا۔''

یعنی حق اور باطل، کفر اور ایمان بالکل واضح ہو چکے، اللہ تعالیٰ نے دوٹوک دلائل کے ذریعے ہدایت اور ضلالت کے درمیان فرق بیان کر دیا تاکہ جو ایمانی زندگی کا طلبگار ہے وہ بھی دلائل کی روشنی دیکھ کر راہِ راست پر چلے اور جو کفر و شرک پر مرنا چاہتا ہے وہ بھی دلیل سن کر ہی مرے، سورۂ انفال 42 میں ہے:

﴿ ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حيي عن بينة ﴾

''تاکہ جو ہلاک ہو دلیل جان لینے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی حق پہچان لینے کے بعد زندہ رہے۔''

سورۂ یونس کی آیت 99 میں ہے:

﴿ ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا أفأنت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين ﴾

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین پر بسنے والے تمام انسان ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو زبردستی مؤمن بنا سکتے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دے رہے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی تکوینی مشیت ہوتی تو وہ زمین پر بسنے والے سارے انسانوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کر دیتا مگر ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہے، لہٰذا آپ کو بھی یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ ہر شخص ایمان

قبول کرے گا، اس مقصد کے لیے جبر کرنا بھی جائز نہیں۔

سورۂ نحل کی آیت 82 میں ہے:

﴿ فإن تولوا فإنما عليك البلاغ المبين ﴾

''پس اگر وہ (ایمان سے) اعراض کریں تو آپ کے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے۔''

سورۂ حج کی آیت 39 میں ہے:

﴿ قل يايها الناس إنما أنا لكم نذير مبين ﴾

''فرما دیجیے اے لوگو! میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔''

یعنی میرا کام ماننے والوں کو خوشخبری سنانے اور تکبر کرنے والوں کو ڈرانے تک محدود ہے، کسی کے دل میں ایمان داخل کر دینا اور اسے اسلام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دینا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

سورۂ شوریٰ کی آیت 48 میں ہے:

﴿ فإن اعرضوا فما أرسلنك عليهم حفيظا إن عليك إلا البلاغ ﴾

-اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔''

تلوار میں یہ طاقت کہاں؟

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری دعوت و ابلاغ، انذار و بشارت، تخویف و ترغیب اور سمجھانے تک محدود تھی تلوار کے زور پر لوگوں کو قبولِ ایمان پر مجبور کرنے کی آپ کو اجازت نہیں تھی، جب آپ کو اجازت نہیں تھی تو کسی دوسرے کو اس کی

اجازت کہاں ہو سکتی ہے؟ ویسے میں عرض کرتا ہوں کہ تلوار میں یہ طاقت کہاں کہ وہ کسی کے نظریہ اور عقیدہ کو بدل دے، تلوار جسم کو جھکا سکتی ہے مگر دل اور دماغ کو نہیں جھکا سکتی۔

آپ مجھے بتایئے تیرہ سالہ مکی دور میں کونسی تلوار تھی؟ جس نے سینکڑوں دلوں میں ایمان کی شمع روشن کر دی، تلوار شمع کو گل تو کر سکتی ہے مگر روشن نہیں کر سکتی، اسلام کے ابتدائی دور کا مطالعہ کرنے والا ہر انصاف پسند تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ تلوار اسلام دشمنوں کے ہاتھ میں تھی، اسلام قبول کرنے والوں کے ہاتھ میں نہیں تھی۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ تلوار عمر بن خطاب کے ہاتھ میں تھی، ظلم کا نشانہ بننے والی بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی خباب کے ہاتھ میں نہیں تھی، آپ بتایئے، جب میرے آقا ﷺ مکہ والوں کے رویے سے بے حد دل شکستہ تھے وہ کونسی تلوار تھی جس نے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا نور پھیلا دیا؟؟؟

آپ بتایئے وہ کونسی تلوار تھی جس نے اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ اور بہو کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا؟

وہ کونسی تلوار تھی جس نے غزوہ احد میں لشکر کفار کی قیادت کرنے والے ابوسفیان کو اسلام کا مجاہد بنا دیا؟

وہ کونسی تلوار تھی جس نے میدانِ احد میں میرے آقا ﷺ کے مشفق اور محسن چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبانے اور مثلہ کرنے والی ہندہ کی زبان سے کہلوا دیا "اے محمد (ﷺ)! آج سے پہلے آپ کے چہرے سے زیادہ مجھے کسی چہرے سے نفرت نہ تھی اور آج کے بعد مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ کسی چہرے سے محبت نہیں رہی۔"

وہ کونسی تلوار تھی جس نے یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو حلقہ بگوشِ اسلام کر دیا تھا،

مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے تین دن کے لیے مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا تھا، حضور ﷺ اس سے روزانہ سوال کرتے اے ثمامہ! میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ثمامہ کہتے میرا گمان آپ کے ساتھ اچھا ہے اگر آپ قتل کریں تو ایک خونی کو قتل کریں گے جو قتل کا مستحق ہے اور اگر انعام واحسان فرمائیں تو آپ کا شکر گزار ہوں گا اور اگر مال مطلوب ہے تو جتنا چاہیں حاضر کروں ..... تین دن کے بعد آپ نے ثمامہ کو معاف اور آزاد کر دیا، ثمامہ چونکہ تین دنوں میں مسلمانوں کے اخلاق اور اعمال قریب سے دیکھ چکے تھے اس لیے رہا ہوتے ہی مسجد کے قریب ایک نخلستان میں گئے وہاں جا کر غسل کیا اور مسجد میں آ کر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

وہ کونسی تلوار تھی جس نے فتح مکہ کے موقع پر قریش کا خون بہائے بغیر ان کے دل مسخر کر لیے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش کا ایک ایک ظلم یاد تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا گلیوں میں گھسیٹا جانا، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا انگاروں پر تڑپنا، آل یاسر رضی اللہ عنہم کی دل ہلا دینے والی چیخیں، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا کٹا پھٹا جسم، اسی لیے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کی زبان پر یہ رجز تھا:

۔ الیوم یوم الملحمة ، الیوم تستحل الحرمة

آج لڑائی کا دن ہے آج بیت اللہ کی حرمت اٹھا دی جائے گی

میرے آقا ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے ایک حرف بدل کر معنی کچھ سے کچھ کر دیے، فرمایا: سعد! یوں کہو:

الیوم یوم المرحمة

آج کا دن رحم اور معافی کا دن ہے

ہوا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ آپ کی رحلت کے بعد ہزاروں لوگوں کا دین کو چھوڑ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ ڈر کر مسلمان ہوئے تھے حالانکہ یہ استدلال انتہائی بودا اور فضول ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی شخص کو ڈرا دھمکا کر مسلمان کیا گیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ انتقال صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا تھا، آپ کی تیار کردہ جماعت اور فوج تو اسی طرح موجود تھی جس طرح آپ کی زندگی میں تھی ان کے پاس اسلحہ کی طاقت بھی تھی افرادی قوت بھی تھی، جذبۂ جہاد بھی تھا تو کیا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خوف تھا جو منافقوں کو کھلم کھلا مرتد ہونے سے روکے ہوا تھا؟

اصل بات یہ ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا، قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور اشاعت اسلام کے راستے میں حائل ایک بڑی دیوار گر گئی اور قبیلے کے قبیلے فوج در فوج ایمان قبول کرنے لگے تو بعض ایسے افراد اور جماعتیں بھی تھیں جنہوں نے عمومی فضا دیکھ کر بظاہر ایمان قبول کر لیا مگر ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا تھا، سورۂ حجرات کی آیت 14 میں باری تعالیٰ نے انہی لوگوں کا ذکر کیا ہے:

﴿ قالت الأعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا ولما يدخل الايمان في قلوبكم ﴾

”دیہاتی کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے اور ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔“

یہ لوگ اپنے دلوں میں چھپے ہوئے کفر اور نفاق کے اظہار کے لیے کسی مناسب موقع کی

تلاش میں تھے اور ہمارے آقا ﷺ کی رحلت کے موقع پر انہیں وہ مناسب موقع مل گیا اس لیے کہ اس وقت مسلمان سخت پریشانی اور انتشار کی حالت میں تھے، بے شمار صحابہ تھے جنہوں نے کبھی اپنے آقا ﷺ کی جدائی کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا، پہاڑ جیسے اس صدمے نے انہیں نڈھال کر کے رکھ دیا تھا، ان کے صدمے کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ صحابہ کہتے ہیں ہمیں اگر والدین یا اولاد یا عزیز و اقارب کی جدائی کی صورت میں صدمہ پیش آتا تھا تو ہم اپنے آقا کی جدائی کا تصور کر لیتے تھے تو یہ خاندانی حادثہ ہمیں ہیچ محسوس ہوتا تھا۔

حکومت و عدالت، فتویٰ و قضا، بیت المال اور عمال کی نگرانی، مجاہدین کی تربیت اور ترتیب، بیرونی وفود سے ملاقاتیں، فقراء اور مساکین کی دیکھ بھال، نو مسلموں کی تعلیم و تربیت، سالکین کا تزکیہ اور تذکیر سمیت نہ معلوم کتنے ہی شعبے اور معاملات تھے جن کی ذمہ داری نبوت کے کندھوں نے اٹھا رکھی تھی اور اب ان شعبوں کی بقا اور ترقی کا بار آپ کے جانشینوں نے اٹھانا تھا، گویا صحابہ کو صرف اپنی یتیمی کا غم نہ تھا ان شعبوں کی یتیمی کا بھی غم تھا، چند منافقوں نے اس المناک صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ارتداد کا جو راستہ اختیار کیا تو ہزاروں ان کے راستے پر چل پڑے، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہود حضور اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں اپنے ہم خیال دوستوں کو مشورہ دیا کرتے تھے کہ تم چند دن کے لیے ایمان قبول کر لو، پھر یہ کہتے ہوئے دوبارہ پرانے مذہب میں لوٹ آنا کہ ہمیں اسلام میں کوئی خوبی دکھائی نہیں دی، ہم نے اندر جا کر دیکھ لیا کہ مسلمانوں میں تو شر ہی شر ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایسے لوگ جو متذبذب ہیں وہ بھی دائرۂ ایمان سے نکل آئیں گے، حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد یہ تدبیر وقتی طور پر بڑی کامیاب ثابت ہوئی، فتنۂ ارتداد پھیلنے کی دوسری

''تمام زمین کا مالک اللہ ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہے۔''

مسیلمہ کے پیروکار اپنے عجوبہ روزگار نبی کی حقیقت سمجھنے کے باوجود قبائلی عصبیت کی بناء پر اس کا ساتھ دیتے تھے اسی لئے اس کا موذن اذان میں یہ الفاظ کہتا تھا:

اشهد ان مسيلمة يزعم انه رسول الله

''میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ اپنے آپ کو اللہ کا رسول سمجھتا ہے۔''

طلحہ نمیری نے مسیلمہ سے کہا تھا:

اشهد انك كاذب وان محمداً صادق ولكن كذاب ربيعة احب الينا من صادق مضر.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں مگر قوم ربیعہ کے جھوٹے کو ہم مضر کے سچے سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

معجزے:

یہ جو قومی اور قبائلی عصبیت ہوتی ہے انسان کی عقل پر پردے ڈال دیتی ہے جیسا کہ مسیلمہ کے پیروکاروں کی عقلوں پر پردے پڑ گئے تھے ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ جھوٹا ہے، کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ جن سے اس کے جھوٹا ہونے پر مہر لگ گئی۔

ایک دفعہ کسی شخص نے مسیلمہ سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچوں کے سر پر برکت کے لیے ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں کھجور کی گٹھلی دیا کرتے تھے تم بھی ایسا کرو، اس نے یہی کچھ کیا تو جس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ گنجا ہو گیا اور جسے اس نے گٹھلی دی اس کی زبان میں لکنت ہو گئی۔

ایک عورت نے آ کر کہا کہ ہمارے باغات اور کنووں کے لیے دعا کرو کہ خوب پھل دیں اور پانی کی فراوانی ہو، مسیلمہ نے اپنے خصوصی معتمد کو بلا کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ محمد (ﷺ) نے دعا کی تھی، کنووں میں پانی کی کلی کی تھی جس سے درخت اچھی طرح پھل دینے لگے اور پانی بھی خوب ہو گیا تھا، مسیلمہ نے یہی کچھ کیا تو درخت سوکھ گئے اور رہا سہا پانی بھی خشک ہو گیا۔

مسیلمہ کے پاس ایک ایسا شخص آیا جو "یک چشم گل" تھا یعنی اس کی ایک آنکھ کی بینائی ختم ہو گئی، اس نے بتایا کہ محمد (ﷺ) نے اپنے ایک صحابی کی جنگ میں شہید ہو جانے والی آنکھ کو لعاب دہن لگا کر اپنی جگہ جما دیا تھا اور وہ آنکھ پہلے سے بھی زیادہ روشن ہو گئی تھی، مسیلمہ نے بھی یہی نسخہ استعمال کرنے کی کوشش کی مگر نہ تو ہاتھ رحمۃ للعالمین ﷺ کا تھا، نہ لعاب سید المرسلین ﷺ کا اور نہ دہن شفیع المذنبین ﷺ کا! بلکہ ایک کذاب کا ہاتھ تھا اس کا دہن اور اس کا لعاب، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخص جو یک چشم گل تھا، لعاب لگنے کے بعد "بالکل" ہو گیا۔

بالکل کا مطلب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کی دوسری آنکھ بھی بے نور ہو گئی، بہر حال ارتداد عام ہونے کے یہ تین بڑے اسباب تھے، یہ ارتداد بہت بڑا فتنہ تھا، یہودیوں، نصرانیوں کے سر اٹھانے اور رومیوں کے لشکر کی اسلامی سرحدوں کی طرف پیش قدمی کی افواہ نے اس فتنے کو اور مدینہ کی فضا کو انتہائی خوفناک بنا دیا تھا، صحابہ کہتے ہیں، صورتحال ایسی تھی:

كالغنم في الليلة المطيرة لفقد نبيهم و قلتهم و كثرة عدوهم.

"مسلمان اپنے نبی کی وفات، تعداد کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے بے یار و مدد گار رہ گئے جیسے بکریوں کا ریوڑ تاریکی اور بارش والی رات میں چرواہے کے بغیر رہ جاتا ہے۔

لیکن اس فتنہ میں بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ تھیں، ایک بڑی حکمت اس میں یہ تھی کہ کھرا اور کھوٹا، مخلص اور منافق، دوست اور دشمن کھل کر سامنے آگیا، ان لوگوں کا پتہ چل گیا جو حب مال اور حب جاہ جیسی بیماریوں میں مبتلا تھے، منافقوں، سرکشوں اور فصلی بیڑوں کی صفائی کے بعد مسلمان، جہاد اور دعوت وتبلیغ کے لیے یکسو ہوگئے اگر فاسد مواد جسد ملی میں باقی رہتا تو مخلص اہل ایمان پوری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے مدینہ سے باہر جا ہی نہیں سکتے تھے، انہیں ہمیشہ گھر کی فکر لگی رہتی لیکن اس سرکش گروہ کے قلع قمع کے بعد انہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں ان لوگوں تک ایمان کا آب صافی پہنچانے کے لیے وقف کردیں جو ہدایت کے ایک ایک قطرے کے پیاسے اور منتظر تھے، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں مشرق سے مغرب تک کئی علاقے ایمان کے نور سے جگمگا اٹھے۔

جہاد کا مقصد:

جیسے فتنہ ارتداد کی وجہ سے یہ اشتباہ دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چونکہ تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا گیا تھا اس لیے حضور اکرم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ان مجبور لوگوں نے ارتداد کا راستہ اختیار کرلیا۔

یونہی جہاد کی مشروعیت کو بھی جبر کی بھیانک صورت میں پیش کیا جاتا ہے جہاد کی وجہ سے غلط فہمی پیدا کرنے والے نام نہاد دانشور دو جھوٹ بولتے ہیں، پہلا جھوٹ تو یہ کہ جہاد اور قتال ہم معنی ہیں یعنی جہاد کا مطلب صرف جنگ اور خونریزی ہے، دوسرا جھوٹ یہ کہ جہاد کا مقصد مذہبی آزادی کا حق پامال کرتے ہوئے سارے انسانوں کو کلمہ طیبہ پڑھنے پر مجبور کرنا ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، قتال، جہاد کا حصہ تو ہے مگر دونوں ہم معنی نہیں ہے، جہاد کا لفظ قرآن کریم میں کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔

سورۂ فرقان کی آیت 54 میں ہے:

﴿ فلا تطع الکافرین و جاھدھم به جھادا کبیرا ﴾

''آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اور ان کے ساتھ قرآن کے ذریعے بڑا جہاد کریں۔''

اس آیتِ کریمہ میں قرآن کی بنیاد پر دعوت اور وعظ و تلقین کو جہادِ کبیر قرار دیا گیا ہے۔

سورۂ عنکبوت کی آیت 6 میں ہے:

﴿ و من جاھد فانما یجاھد لنفسه ﴾

''ہر کوشش کرنے والا اپنے ہی فائدہ کے لیے کوشش کرتا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں ہر عملِ صالح اور اچھی کوشش پر جہاد کا اطلاق ہوگا ہے جو انسان اپنی اصلاح یا دین کی سربلندی کے لیے کرتا ہے۔

سورۂ عنکبوت کی آخری آیت 69 میں ہے:

﴿ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ﴾

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔''

اس آیتِ کریمہ میں دین پر عمل کرنے میں جو مجاہدہ کیا جاتا ہے اور جو مشکلات برداشت کی جاتی ہیں انہیں جہاد کہا گیا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ دین اسلام کی حفاظت اور اشاعت کے سلسلہ میں مال، قلم اور زبان سے جو کوشش کی جاتی ہے وہ جہاد ہے جس کی سب سے بلند چوٹی یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت

اس مقصد کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دی جائے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، ان مقامات پر جہاد بالمال کا ذکر جہاد بالنفس سے پہلے ہے۔

پروپیگنڈا کرنے والوں کا دوسرا دعویٰ بھی سراسر جھوٹ پر مبنی ہے یعنی یہ کہ جہاد کا مقصد مذہبی آزادی کا حق چھین کر عالم انسانیت کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ہے، جہاد کا یہ مقصد نہ کسی آیت میں ہے نہ حدیث میں ہے اور نہ ہی خیر القرون میں ایسا کوئی واقعہ پیش آیا جس میں مجاہدین نے اپنے قیدیوں اور دشمنوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا ہو، اگر دور ملوکیت میں اسلامی تعلیمات سے ناواقف کسی شخص نے ایسا فعل کیا ہو تو ہم اسے عین اسلام قرار نہیں دے سکتے اس لیے کہ کسی مذہب کے حقائق اور اصولوں سے واقفیت کے لیے اس کی متفق علیہ کتاب کو بنیاد بنایا جاتا ہے، اعتدال سے ہٹے ہوئے کسی شخص کے ذاتی فعل کو حجت اور سند کا درجہ نہیں دیا جاتا، ہمارے دور کے امریکی صدر مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھا رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف شروع کی جانے والی جنگ کو وہ کروسیڈ یعنی صلیبی جنگ کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم ان کے جور و جفا کو تورات اور انجیل کی تعلیم کا نتیجہ قرار نہیں دیتے۔

عالم اسلام کے غلامانہ ذہنیت رکھنے والے سربراہ آئے دن بیان دیتے رہتے ہیں کہ ہمیں اسلام اور قرآن کے بارے میں پائے جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہیے حالانکہ جن لوگوں نے جان بوجھ کر قرآن کے بارے میں جھوٹ بولے ہیں، انہیں غلط فہمی کہاں ہے وہ تو تعصب اور عناد کی بیماری میں مبتلا ہیں، حقیقی غلط فہمی تو بائبل کے بارے میں ہے جو انبیاءِ کرام علیہم السلام کو معاذ اللہ جھوٹا، شرابی، زانی، بت پرست اور جادوگر تک کہتی ہے اور

فحش مضامین پوری دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے، اس وقت میرا یہ موضوع نہیں ہے انشاءاللہ کسی موقع پر آپ کے سامنے قرآن کریم اور بائبل کا تقابلی مطالعہ پیش کروں گا اور آپ میرے دعوی کی تصدیق پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے، اس وقت جو ہمارا موضوع ہے میں اسی کی طرف واپس آتا ہوں، بتا یہ رہا تھا کہ اسلام کی اشاعت جبر اور قہر سے نہیں ہوئی۔

ٹی ڈبلیو کی گواہی:

مشہور مصنف پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے بریچنگ آف اسلام کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا اردو میں ترجمہ "دعوت اسلام" کے نام سے ہو چکا ہے اس کتاب میں اس نے مغربی ایشیا، افریقہ، اندلس، یورپ، ایران، وسطی ایشیا، مغلوں اور تاتاریوں، ہندوستان، چین، ملائیشیا اور انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت کے اسباب بیان کیے ہیں اور تسلیم کیا ہے کہ ان علاقوں میں اسلام کے پھیلنے میں جبر واکراہ اور طاقت کے استعمال کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس کے برعکس سنجیدہ مسلمان ہمیشہ جبر کے مخالف رہے ہیں، ٹی ڈبلیو نے اس کتاب کے صفحہ 373 پر جزیرہ سیلیبز کی ایک ریاست مکسر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہاں کے حکمران نے اسلام قبول کرلیا، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ایسا سرگرم مبلغ ثابت ہوا کہ اس کی تبلیغ سے مکسر زبان بولنے والے تمام قبیلے مسلمان ہو گئے، مکسر قوموں کے دلوں میں نئے مذہب نے ایسا جوش مارا کہ انہوں نے بونی کی ہمسایہ قوم اور بونی کے راجہ کو بھی مسلمان کرلیا، بونی کے راجہ نے اپنی رعایا اور قرب وجوار کی چھوٹی ریاستوں کو جبراً مسلمان کرنا چاہا، تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کی غیر مسلم رعایا نے مکسر کے مسلمان حکمران سے امداد طلب کی جس نے اپنے سفیر راجہ بونی کے پاس بھیجے اور اسے جبر کرنے سے منع کیا مگر راجہ بونی باز نہ آیا تو اس نے راجہ بونی کے ملک پر چڑھائی کر کے شکست دی۔

آپ مذاہب عالم کی تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ جب کسی بادشاہ نے اپنے ہم مذہب بادشاہ پر صرف اس لیے حملہ کر دیا ہو کہ وہ اپنی رعایا کو اپنا مذہب قبول کرنے پر مجبور کرتا تھا۔

ٹی ڈبلیو نے لکھا ہے کہ مکسر کے راجہ نے بونی کے راجہ سے سوال کیا کہ کیا اس جبر پر تمہارے پاس قرآن اور حدیث کی کوئی دلیل ہے؟ یا تمہیں الہام ہوا ہے؟ یا تم اپنی خواہش سے ایسا کر رہے ہو؟ ظاہر ہے اس کے پاس ان میں سے کسی سوال کا بھی جواب نہ تھا۔

رواداری:

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں نے ملک پر ملک اور شہر پر شہر فتح کیے لیکن وہ مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو مذہب کی تبدیلی پر مجبور نہیں کرتے تھے بلکہ مذہبی آزادی دیتے تھے، فتوحات کی تیزی کا بڑا سبب ان ملکوں کا سڑا ہوا نظام تھا جس میں چند افراد بلا شرکتِ غیرے عوام کی عزت و آبرو، مال و جان اور ذرائع آمدنی کے مالک بنے بیٹھے تھے، ذرا ذرا سی حکم عدولی پر لرزہ خیز سزائیں دی جاتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ مذہبی اختلاف کے باوجود مفتوحہ شہروں کے باشندے مسلمان فاتحین کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے، ان فاتحین نے رعایا کو ایسی مذہبی آزادی دی اور ان کے ساتھ ایسی رواداری اختیار کی کہ ایسی رواداری کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، ٹی ڈبلیو نے اپنی کتاب کے صفحہ 58 میں لکھا ہے کہ جب اسلامی لشکر اردن کی وادی میں پہنچا اور حضرت ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے فحل کے مقام پر اپنے خیمے گاڑے تو ملک کے عیسائی باشندوں نے انہیں لکھا:

''اے مسلمانو! ہم تمہیں رومیوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں کیونکہ تم ہمارے ساتھ عہد و پیمان کی پابندی کرتے ہو اور ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے

ہو اور بے انصافی سے احتراز کرتے ہو، تمہاری حکومت ہمارے اوپر ان کی حکومت سے بہتر ہے کیونکہ انہوں نے ہمارے گھروں اور مال و متاع کو لوٹ لیا ہے۔''

اسی طرح جب ہرقل کی فوج حمص کے قریب آئی تو شہر والوں نے فصیل کے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہاری حکومت اور انصاف کو رومیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں۔

رومی سلطنت کے جن صوبوں کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا ایسی مذہبی آزادی حاصل ہوئی جو انہیں اپنے مونو فزائٹ اور نسطوری عقائد کی وجہ سے کئی صدیوں سے نصیب نہیں ہوئی تھی، وہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں اب بالکل آزاد تھے، اس قسم کی مذہبی آزادی ساتویں صدی عیسوی کے زمانے میں ایک عجوبہ تھی۔

بجائے اس کے کہ اسلامی سلطنت کے قیام سے عیسائی کلیسا کی ترقی رک جاتی، نسطوری فرقے کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہ فرقہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں آیا تو اس کی مذہبی زندگی میں ایک حیرت انگیز ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے چین اور ہندوستان وغیرہ کی طرف اپنے مشنری روانہ کیے اور تبلیغی کوششیں تیز کر دیں۔

اعلیٰ اخلاق:

یہ جو اردن کے عیسائی باشندوں نے مسلمانوں کے ایفاءِ عہد اور دوسرے اخلاق کی تعریف کی تو یہ صرف عوام کی رائے نہیں تھی بلکہ ان کے خواص بھی مسلمان مجاہدین کے بارے میں یہی رائے رکھتے تھے اور آپ یہ بات نوٹ کر لیں کہ مجاہدین کی تلوار نے صرف ملک اور شہر فتح کیے جبکہ ان کے اعلیٰ اخلاق، حسن معاملات اور اجلے کردار نے ان ملکوں اور شہروں کی رعایا کے قلب و دماغ فتح کر لیے۔

رستم جسے فارس کا سپہ سالارِ اعظم کہا جاتا تھا، فارس کے بادشاہ اور عوام وخواص اسی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے لیکن اس شخص کا دل بھی مسلمانوں کے اخلاق کا گرویدہ ہو چکا تھا اور وہ ان کے مقابلے میں آنے سے بچنا چاہتا تھا لیکن بدقسمتی اور بادشاہ کے مجبور کرنے کی وجہ سے اسے مسلمانوں کے مقابلے میں آنا ہی پڑا وہ مسلمانوں کے بتیس ہزار کے لشکر کے مقابلے میں ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہو کر ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج لے کر نکلا لیکن اسے ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا میں اس جنگ کی تفصیل آپ کو سنانا نہیں چاہتا اصل بات جو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ رستم کا لشکر برس نام کے ایک مقام پر ٹھہرا ہوا تھا یہاں انہوں نے خوب بدمستیاں کیں، شرابیں پی کر عورتوں پر دست درازیاں کیں، لوگوں کے مال غصب کیے اور جو نہ کرنا تھا سب کچھ کیا، لوگ گھبرا اٹھے اور رستم کے پاس فریاد لائے، رستم نے اپنے فوجیوں کو شرم دلاتے ہوئے کہا: ''بیشک وہ عربی (جسے میں نے ابھی ناحق قتل کیا) اس نے سچ کہا تھا کہ ہم اپنے اعمال ہی کی بدولت اس حالت کو پہنچے ہیں، باوجودیکہ مسلمان ملک فتح کرنے اور لڑنے آئے ہیں مگر وہ ان دیہات والوں کے ساتھ نہایت اچھا معاملہ کرتے ہیں اور تم باوجودیکہ وہ تمہاری رعایا ہیں اس قدر ظلم کرتے ہو؟ بے شک تم اسی قابل ہو کہ تمہارا ملک تم سے سلب کرلیا جائے اور بے شک ایسا ہی ہوگا''۔

آپ رستم کی اس تقریر سے جان سکتے ہیں کہ وہ اسلامی افواج کو اپنے ملک کے مظلوموں کا نجات دہندہ سمجھتا تھا، ویسے تو مغربی ممالک خصوصاً امریکہ صاحب بھی اپنے آپ کو نجات دہندہ سمجھ کر مختلف ملکوں پر چڑھائی کرتے ہیں مگر آپ نے دیکھا کوئی دن نہیں جاتا جب ان کے خلاف عراق اور افغانستان میں خودکش حملے نہ ہوتے ہوں مگر ان کے ڈھیٹ پن کا یہ حال ہے کہ پھر بھی اپنے آپ کو نجات دہندہ کہتے ہیں، جاپان وغیرہ ممالک

جہاں امریکیوں نے اپنی چھاؤنیاں قائم کی ہوئی ہیں وہاں سے آئے دن ان کے فوجیوں کی جانب سے عصمت دری اور لوٹ مار کے واقعات میڈیا میں شائع ہوتے رہتے ہیں مگر مسلمان فوجیوں کا کردار ایسا تھا کہ خود دشمن کہتے تھے کہ ہم " رھبان باللیل و فرسان بالنھار" (وہ رات کو راہب بن جاتے ہیں اور دن کو شہسوار) وہ حسیناؤں کے جھرمٹ میں سے نظریں جھکا کر گزر جاتے تھے، سونے چاندی کے انبار دیکھ کر ان کے دل میں خیانت کا خیال نہیں آتا تھا، وہ وعدے کے پکے اور زبان کے سچے تھے، بعض اوقات دشمن دھوکہ دے کر اپنے لیے امان حاصل کر لیتا تھا مگر وہ پھر بھی اپنی زبان کا پاس کرتے تھے، میں آپ کو ایفاءِ عہد کا صرف ایک واقعہ سناتا ہوں، جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان، خونریزی اور جبر و اکراہ سے کس قدر پرہیز کرتے تھے۔

عہد کی پاسداری:

ہرمزان فارس کے ان سات مشہور گھرانوں میں سے ایک خاندان کا معزز ممبر تھا جو پورے فارس میں شریف اور خاندانی نواب کہلاتے تھے، وہ قادسیہ کے معرکہ میں پیش پیش تھا، کئی مسلمانوں کو قتل کرنے اور بار بار عہد شکنی کا گناہ بھی اسی کے سر تھا اسے جب گرفتار کر کے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے باز پرس کی، اس نے کہا مجھے چونکہ قتل کیے جانے کا اندیشہ ہے اس لیے میں اپنا عذر بیان نہیں کر سکتا اگر آپ مجھے امان دیں تو بیان کر سکتا ہوں، آپ نے اسے امان دے دی تو اس نے پینے کے لیے پانی مانگا جو لکڑی کے سادہ سے پیالے میں لا کر دیا گیا، وہ دوسرے عجمی سرداروں کی طرح ناز و نعمت میں پلا ہوا تھا ایسے پیالے میں پانی کیسے پی سکتا تھا؟ اس نے کہا اگر میں پیاس سے مر بھی جاؤں تب بھی ایسے پیالہ میں نہیں پی سکتا، اس پر اس کی مرضی کے موافق

گلاس میں لا کر پانی دیا گیا، اس نے گلاس ہاتھ میں لے کر سخت پریشانی ظاہر کی اور کہا میں ڈرتا ہوں کہ مجھے پانی پینے کی حالت میں قتل کر دیا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا باس علیك حتی تشربه .

''پانی پینے تک تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔''

ہرمزان نے یہ سن کر پانی گرا دیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین سے فرمایا:

اعیدوا علیه ولا تجمعوا علیه بین القتل والعطش .

''اسے اور پانی دے دو، پیاس اور قتل کو اس کے لیے جمع نہ کرو۔''

یعنی مناسب نہیں کہ اسے پیاس کی حالت میں قتل کیا جائے ایسا کرنے سے دو سزائیں جمع ہو جائیں گی۔

ہرمزان نے کہا نہ تو مجھے پیاس ہے اور نہ ہی پانی پینا چاہتا ہوں میں تو اس بہانہ سے امن حاصل کرنا چاہتا تھا، جس پانی کے بارے میں آپ نے کہا تھا کہ اس کے پینے تک مجھے قتل نہیں کیا جائے گا، اسے میں گرا چکا ہوں، گویا اس کا پینا تو ناممکن ہو چکا ہے اور آپ اس کے پینے تک مجھے امن دے چکے ہیں۔

ظاہر ہے یہ دھوکہ اور فراڈ تھا اس لیے امیر المومنین نے فرمایا میں تجھے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا، اس نے کہا آپ مجھے امن دے چکے ہیں، آپ نے فرمایا: ہرگز امن نہیں دیا تم چالاکی کر رہے ہو، اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ بولے امیر المومنین! یہ سچ کہتا ہے آپ نے اسے امن دیا ہے، آپ نے فرمایا میں براء بن مالک اور مجزءۃ بن ثور جیسے لوگوں کے قاتل کو کیسے امن دے سکتا ہوں؟ تم یا تو اس کی کوئی دلیل بیان کرو ورنہ تمہیں بھی باطل کی تائید میں سرزنش کی جائے گی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ اسے کہہ چکے ہیں:

لا باس علیك حتی تخبرنی ولا باس علیك حتی تشربه.

''جب تک تم اپنا عذر بیان نہ کر دو اور جب تک پانی نہ پی لو تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔''

حاضرین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تائید کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سکوت فرمایا اور ہرمزان سے کہا:

خدعتنی ولا انخدع الا لمسلم.

''تو نے مجھے دھوکہ دیا اور میں تو کسی مسلمان ہی کے دھوکے میں آسکتا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا کہ میں صرف مسلمان ہی کے دھوکہ میں آسکتا ہوں، تو اس کا مطلب اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئے تھے کہ ہرمزان مسلمان ہو جائے گا، وہ چاہتا یہ ہے کہ اطمینان کی حالت میں اسلام قبول کرے تاکہ اسے کوئی یہ طعنہ نہ دے کہ وہ جان کے خوف سے مسلمان ہوگیا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ فیصلہ کیجئے کہ ایسے واقعات کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا گیا تھا؟ اور مسلمان کافروں کو ایمان لانے پر مجبور کرتے تھے؟ ان کا حال تو یہ تھا کہ دشمن پر قابو پالینے کے باوجود بھی کسی پر جبر نہیں کرتے تھے۔

اسلام خود ایک طاقت:

سچی بات تو یہ ہے کہ اسلام اپنی اشاعت کے لیے کسی مادی طاقت اور ہتھیار کا محتاج ہے ہی نہیں، اسلام خود ایک طاقت ہے، اس کی اپنی بادشاہت اور سلطنت ہے، وہ خود ایک فوج ہے، اس کی تعلیمات ایٹم بم سے زیادہ سریع الاثر ہیں، ایٹم بم توڑ پھوڑ تو کر سکتا ہے تعمیر نہیں

کرسکتا، موت دے سکتا ہے زندگی نہیں دے سکتا، جبکہ اسلام تعمیر کرتا اور دائمی زندگی عطا کرتا ہے اسلام ایک خوشبو ہے جو خود پھیلتی ہے، اسے پھیلنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سیاسی اور فوجی زوال اور شکست کے زمانے میں بھی اسلام کی روحانی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، میں نے ایک مضمون لکھا تھا اور اس کا عنوان قائم کیا تھا ''مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح'' اس مضمون میں بتایا تھا کہ کئی اقوام ایسی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دے دی لیکن بالآخر اسلام نے انہیں فتح کرلیا اس کی مثال میں ہم سلجوقی ترکوں اور تاتاریوں کو پیش کر سکتے ہیں ان وحشی کافروں نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کیا مگر ان دونوں موقعوں پر فاتحین نے اسی قوم کا مذہب اختیار کرلیا جسے انہوں نے مغلوب اور مفتوح کیا تھا۔

فتنہ تاتار:

بالخصوص تاتاریوں کا فتنہ ایسا تھا کہ ان سے پہلے کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ جیسا حوصلہ مند مورخ جب تاتاریوں کی سفاکی اور غارت گری کے بارے میں لکھنے لگا تو ان کے قلم سے یہ الفاظ نکل گئے کہ ایسا شخص کون ہوگا جس کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی خبر مرگ کا لکھنا اور اس کا بیان کرنا آسان ہو، کاش کہ میری ماں مجھ کو نہ جنتی اور میں اس سے پہلے ہی مرجاتا اور دنیا مجھ کو بالکل بھول جاتی، یہ مصیبت جو مسلمانوں پر نازل ہوئی اس کی نظیر لانے سے لیل ونہار قاصر ہیں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اس وقت سے آج تک اہلِ دنیا ایسی سخت مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے تو وہ بالکل حق بجانب ہوگا بلکہ شاید اہلِ علم دنیا کے خاتمہ تک ایسا عظیم حادثہ نہیں دیکھیں گے۔

مغلوں کی درندگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہرات شہر میں ایک لاکھ مسلمان تھے جن میں سے صرف چالیس زندہ بچ سکے کیونکہ وہ ادھر ادھر چھپ گئے تھے، ایسے بد اندیشوں کی کمی نہیں تھی جو عالمِ اسلام کی تباہی دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ اب مسلمان اٹھ نہیں سکیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے وحشی تاتاریوں ہی کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا حالانکہ یہ کام بڑا دشوار تھا کیونکہ بدھ مت اور عیسائیت کے پیروکار بھی تاتاریوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے۔

بعض کا خیال ہے کہ تاتاریوں کو اسلام کے قریب لانے میں ان مسلمان خواتین کا ہاتھ ہے جنہیں مغلوں نے لونڈیاں بنا کر اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا ان بے سہارا خواتین نے نئی نسل پر ایمانی محنت کی اور انہیں مسلمانوں کے عقائد اور اطوار سکھا دیئے۔

بعض کہتے ہیں کہ مسلمان مبلغین نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا ان مبلغین نے اتنے اخلاص کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا کہ چند ایک کے سوا ان کے نام بھی کسی کو معلوم نہیں، جو چند نام مورخین کو معلوم ہو سکے ان میں سے ایک نام شیخ جمال الدین کا بھی ہے۔

حیرت انگیز:

ان کا واقعہ حیرت انگیز بھی ہے اور عبرت آموز بھی، اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صاحبِ درد مبلغ اپنے کام سے کتنے مخلص ہوتے ہیں اور ان کا اخلاص کیسے کیسے کرشمے اور کراماتیں دکھاتا ہے۔

شیخ جمال الدین رحمہ اللہ سیاح قسم کے انسان تھے، چلتے چلاتے کاشغر جا پہنچے اور چند مسافروں کے ساتھ نادانستہ طور پر تو قلق کی شکارگاہ میں داخل ہو گئے، خان نے حکم دیا کہ ان

کی مشکیں باندھ کر میرے سامنے حاضر کیا جائے، جب حاضر کر دیا گیا تو خان نے ان سے غضبناک ہو کر پوچھا کہ تم لوگوں نے ہمارے شکار میں خلل ڈالنے کی کیسے جرأت کی؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہم بالکل اجنبی ہیں اور اس بات سے مطلق بے خبر تھے کہ ہم کسی ممنوعہ علاقے میں داخل ہو رہے ہیں، جب خان کو ان کے مسلمان اور ایرانی ہونے کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ ایک ایرانی سے تو کتا بھی بہتر ہوتا ہے، شیخ نے کہا ہاں یہ سچ ہے اگر ہم دینِ حق پر نہ ہوتے تو اس صورت میں یقیناً کتوں سے بھی بدتر تھے۔ شیخ کے اس جواب سے خان بہت متاثر ہوا اور اس نے حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو اس جرأت مند ایرانی کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے، جب آپ پیش ہوئے تو خان نے شیخ کو الگ لے جا کر پوچھا کہ دین برحق کیا چیز ہے؟ اور اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ یہ سن کر شیخ نے اسلام کے عقائد ایسی گرم جوشی اور دینی ولولے سے بیان کیے کہ خان کا دل جو پہلے پتھر کی طرح سخت تھا، موم کی مانند پگھل گیا، پھر شیخ نے حالتِ کفر کا ایسا ہیبت ناک نقشہ کھینچا کہ خان کو اپنے بے بصیرت اور گمراہ ہونے کا یقین ہو گیا لیکن اس نے کہا کہ اگر میں اسی وقت دین اسلام کا اظہار کروں تو میں اپنی رعایا کو اس راستے پر نہیں لا سکوں گا لہٰذا تم کچھ عرصے کے لیے صبر و تحمل سے کام لو جب میں اپنے باپ دادا کی سلطنت کا مالک بنوں گا تو اس وقت تم میرے پاس پھر آنا۔

اس زمانے میں چغتائی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی، کئی برسوں کے بعد تغلق تیمور سلطنت کو جمع کرنے اور اس پر اپنی حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب ہوا، اسی اثناء میں شیخ جمال الدین اپنے ملک واپس جا چکے تھے، وطن پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گئے جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے رشید الدین کو

اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تو تغلق تیمور بادشاہ بننے والا ہے، اس وقت اس کے پاس ضرور جانا اسے میرا اسلام پہنچانا اور اسے بے خوف وخطر وہ وعدہ یاد دلانا جو اس نے مجھ سے کیا تھا، چند سال کے بعد جب تو تغلق تیمور اپنے باپ دادا کا تخت وتاج حاصل کر چکا تو شیخ رشید الدین اس کے لشکر میں جا پہنچے تا کہ اپنے والد کی وصیت پر عمل کر سکیں لیکن ہر طرح کی کوشش کے باوجود وہ خان تک نہ پہنچ سکے، آخر کار مجبور ہو کر انہوں نے یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصبح خان کے خیمے کے پاس اذان کہنی شروع کر دی، اذان کی آواز سن کر تو تغلق ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، اور اس کی نیند خراب ہوگئی اس نے ''شور'' کرنے والے کو حاضر کرنے کا حکم دیا، شیخ رشید آئے اور اپنے والد کا پیغام پہنچایا تو تغلق کو بھی اپنا وعدہ یاد تھا اس نے کہا ''جب سے میں تخت پر بیٹھا ہوں مجھے اپنا وعدہ یاد آ رہا تھا لیکن جس شخص سے میں نے وعیدہ کیا تھا وہ پھر کبھی نہیں آیا، بہر حال باپ نہ سہی تو بیٹا ہی سہی میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔'' اس کے بعد تو تغلق نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مشرف باسلام ہو گیا، اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ تبلیغ اسلام کے لیے مغل شہزادوں سے فرداً فرداً گفتگو کرنی چاہیے سب سے پہلے انہوں نے جس شخص کے سامنے اپنا پروگرام رکھا وہ امیر تولک تھا، خان نے اس سے پوچھا کیا تم اسلام قبول کرو گے؟ اس پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ تین سال ہو گئے جب کاشغر کے چند مقدس آدمیوں نے میرے سامنے اسلام کی تبلیغ کی تھی اور میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن تمہارے خوف سے میں نے اس کا اعلان نہیں کیا؟ تو تغلق خان اٹھا اور امیر تولک کو گلے لگا لیا، پھر ان تینوں نے یکے بعد دیگرے تمام شہزادوں سے بات کی اور ان سب نے اسلام قبول کر لیا، سوائے ایک شخص کے جس کا نام جراس تھا، اس نے یہ عجیب وغریب تجویز پیش کی کہ شیخ اور میرے ملازم کے درمیان مقابلہ ہونا چاہیے، اگر شیخ جیت گئے تو میں ان کا مذہب

قبول کرلوں گا، یہ ملازم بڑا قد آور، تنومند اور پہلوان قسم کا تھا، وہ اکیلا دو سال کے اونٹ کو اٹھا سکتا تھا، شیخ اس کے مقابلے میں کمزور اور پہلوانی کے اسرار و رموز سے بالکل ناواقف تھے اس کے باوجود انہوں نے یہ کہتے ہوئے مقابلہ منظور کرلیا کہ ''اگر میں تمہارے خادم کو گرا نہ سکا تو میں تمہیں مسلمان ہونے کے لیے نہیں کہوں گا۔'' تو قلق وغیرہ نے سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت آپ اس سانڈ کا مقابلہ نہیں کر سکتے خواہ مخواہ اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالیں مگر حضرت اپنے قول پر قائم رہے اور فرمایا اگر اللہ کی مرضی ہے کہ مغل مشرف باسلام ہوں تو وہ مجھے بے شک اس آدمی کو مغلوب کرنے کے لیے کافی طاقت بخشے گا۔

ایک وسیع و عریض میدان میں ہزاروں تاتاری جمع ہو گئے، دونوں حریف بھی میدان میں آ گئے، پہلوان جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، پرغرور انداز میں اتراتا ہوا آگے بڑھا، اس کے مقابلے میں شیخ طفل معصوم نظر آتے تھے، دونوں ایک دوسرے کے خلاف داؤ پیچ آزمانے لگے، شیخ نے اللہ کا نام لے کر اچانک اس کافر کی چھاتی پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اٹھ کر شیخ کے قدموں میں گر پڑا اور کلمۂ شہادت اس کی زبان سے جاری ہو گیا، لوگوں نے آفرین اور ستائش کے نعرے بلند کیے، ٹی ڈبلیو نے ابو الغازی کی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس دن ایک لاکھ ساٹھ ہزار مغلوں نے اپنے سروں کی بودیاں کٹوا ڈالیں اور مسلمان ہو گئے، اس وقت سے اسلام ان تمام شہروں میں مضبوطی سے قائم ہو گیا جو چغتائی خاں کے زیر نگیں تھے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اسلام اپنے پھیلاؤ کے لیے کسی حکومت اور مادی طاقت کا محتاج نہیں ہے یہ خود پھیلتا ہے، اگر اس کے ماننے والے اپنے اخلاق اور اعمال اسلام کے مطابق بنا لیں تو اسلام کے پھیلنے کی رفتار میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ لوگ باتوں سے

زیادہ عمل سے اور تقریر سے زیادہ کردار سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ آج کا مسلمان کردار اور اخلاق کے شعبہ میں پستی کی آخری حد تک پہنچا ہوا ہے، خصوصاً مال اور عورت اس کی ایسی دو کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے یہ ناٹک کی پتلی بنا ہوا ہے، زر پرستی اور شہوت پرستی کی بیماری نے اسے کہیں کا نہیں رکھا، اس کی بد کرداری اور بد اخلاقی کی وجہ سے اسلام بھی بدنام ہوتا ہے کیونکہ درخت اپنے پھل سے، استاذ اپنے شاگردوں سے اور مذہب اپنے پیروکاروں سے پہچانا جاتا ہے، آپ ہندو مذہب کو لے لیں، محققین کہتے ہیں کہ ہندو مذہب کی جو بنیادی کتابیں ہیں یعنی بھگو گیتا، اپنشداد اور ویدان، میں توحید کی تعلیم ہے، اپنشد میں واضح طور پر ہے کہ ''وہ صرف ایک ہے کسی دوسرے کے بغیر'' لیکن چونکہ ہندو عملی طور پر بت پرستی میں مبتلا ہیں اس لیے انہیں ساری دنیا بت پرست ہی سمجھتی ہے، یہی حال مسلمانوں کا ہے، ان کا مذہب عفت وعصمت، امن اور سلامتی، اتحاد اور اتفاق، حلال پر قناعت اور حرام سے بچنے کا سبق دیتا ہے مگر ان کی عملی زندگی اس کے برعکس ہے، جسے دیکھ کر غیر مسلم اسلام سے دور بھاگتے ہیں۔

خوش نصیب لوگ:

یقیناً وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو اس ماحول اور سوسائٹی میں رہتے ہیں جہاں دن رات اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کی عملی اور اخلاقی پستی کو بھی دیکھتے ہیں پھر بھی وہ اسلام کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیتے ہیں، ہمارے دور میں جو مشہور اور غیر مشہور شخصیات اسلام قبول کر رہی ہیں وہ تو بے شمار ہیں میں اپنا اور آپ کا ایمان تازہ کرنے کے لیے ان میں سے صرف چند کا ذکر کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے میں سابق روسی ایجنٹ الیگزینڈر لٹوینکو کا تذکرہ کرتا ہوں جس کے

بارے میں مجھے آج ہی اخبار کے ذریعے پتہ چلا، اس کی عمر 44 سال تھی، اس نے 80 کی دہائی میں سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے کے جی بی میں شمولیت اختیار کی، 20 سالہ کیریر میں اس کا شمار روس کے انتہائی ذہین اور چوٹی کے جاسوسوں میں ہونے لگا، اس کی مردانہ وجاہت سے بھرپور شخصیت کو دیکھ کر اسے روس کا جیمز بانڈ بھی کہا جاتا تھا، روسی حکومت سے اختلاف کے بعد اسے جیل ڈال دیا گیا، رہا ہوا تو جعلی پاسپورٹ کے ذریعہ ترکی کے راستے برطانیہ فرار ہو گیا جہاں اسے پہلے سیاسی پناہ اور پھر شہریت بھی دے دی گئی، انگلینڈ میں اس نے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے وہ اہم راز افشا کیے جو روسی حکومت کے لیے نہایت شرمندگی کا سبب بنے، اس نے اپنی کتاب میں جو انکشافات کیے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ 1999ء میں ماسکو کی عمارتوں میں جو دھماکے ہوئے جن میں 300 سے زائد افراد ہلاک ہوئے اور جن کی ذمہ داری چیچن مسلمانوں پر عائد کی گئی تھی وہ دراصل روسی خفیہ ایجنسی نے کروائے تھے، اس کے علاوہ 2002ء میں ماسکو تھیٹر میں لوگوں کو یرغمال بنانے کا جو واقعہ پیش آیا اس میں بھی چیچن مسلمانوں کو ملوث ظاہر کیا گیا جبکہ اس میں بھی روسی سیکرٹ سروس کے ایجنٹ ملوث تھے جو روسی خفیہ ایجنسی کے لیے کام کر رہے تھے، روس میں ہونے والے ان واقعات کا اصل مقصد چیچن مسلمانوں کو بدنام کرنا، اسلام کے نام لیواؤں کے خلاف عالمی سطح پر نفرت کی فضا پیدا کرنا اور چیچنیا کے خلاف فوج کشی کا جواز پیدا کرنا تھا جس کے نتیجے میں پیوٹن کو ہیرو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جو چیچن مسلمانوں کو کچل سکتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، پیوٹن کی قیادت میں روسی فوج نہتے مسلمانوں پر چڑھ دوڑی اور اس ٹڈی دل نے ہنستی مسکراتی بستیوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔

یقیناً الیگزینڈر اور اس کے ساتھی اپنی سازشوں، ہلاکت خیزیوں اور مسلمانوں کی تباہی

تلوار تھی جسے چلانے کے لیے ہاتھوں کو حرکت دینے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی جس کا شکار تو دکھائی دیتا ہے مگر وہ خود دکھائی نہیں دیتی۔

میں آپ کے سامنے دوسرا نام لیتا ہوں اپنی قومی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی محمد یوسف کا جو کل تک یوسف یوحنا تھا اور گراؤنڈ میں سنچری بنانے کے بعد اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا کرتا تھا، آج وہ محمد یوسف ہے اور سنچری بنانے کے بعد پاکستان میں ہو یا پاکستان سے باہر، رب کے حضور سجدۂ شکر بجالاتا ہے، مجھے اس کے ایک قریبی دوست نے بتایا کہ فرض نماز تو کجا محمد یوسف کی کوشش ہوتی ہے کہ تہجد بھی قضا نہ ہو، وہ اپنے اہل وعیال کو اسلام کی تعلیم دے رہا ہے اور وہ اپنا آئیڈیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو قرار دیتا ہے، بعض ماڈرن مسلمان داڑھی رکھنے کو دقیانوسی سمجھتے ہیں جبکہ محمد یوسف نے سنت کے مطابق یکمشت داڑھی رکھی ہوئی ہے، اگر نماز کا وقت ہو جائے تو وہ برسر میدان بھی نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اپنی ان اداؤں کی وجہ سے بجائے اس کے کہ اس کی تعریف کی جاتی بعض ''روشن خیال'' مسلمان ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں، ان کا خیال ہے کہ مسلمان ہونا اچھی بات ہے مگر اتنا بھی مسلمان نہیں ہونا چاہیے، وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں دیکھو ہم بھی مسلمان ہیں، کبھی کبھار نماز پڑھ لیتے ہیں، داڑھی روزانہ شیو کرتے ہیں، سودی کاروبار کرتے ہیں، رقص وسرود کی محفلوں میں ذوق وشوق سے شریک ہوتے ہیں، ہماری خواتین پردہ نہیں کرتیں، پھر بھی ہمارا اسلام متاثر نہیں ہوتا، اصل بات یہ ہے کہ محمد یوسف نے اسلام قبول کیا ہے، جبکہ ہمیں اسلام وراثت میں ملا ہے، اسلام قبول کرنے والے قربانی دے سکتے ہیں مگر موروثی مسلمانوں میں یہ جذبہ مفقود ہوتا جا رہا ہے، آج اگر محمد یوسف داڑھی منڈوا دے تو اسے ملٹی نیشنل کمپنیاں کروڑوں روپے کے اشتہارات میں لے سکتی ہیں، وہ

قومی ٹیم کا کپتان بن سکتا ہے مگر اس کے دل میں ایک لگن ہے، ایک جوش ہے ایک ولولہ ہے وہ سنتِ رسول کو کروڑوں روپے اور کپتانی سے زیادہ گرانقدر چیز سمجھتا ہے، مجھے بتایئے وہ کونسی تلوار ہے جس کے خوف سے محمد یوسف مسلمان ہی نہیں آپ کے بقول بنیاد پرست مسلمان بن گیا ہے۔

ذاتی محاسن:

اگر اللہ کا کوئی بندہ تعصب کی عینک اتار کر تحقیق کرے تو وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ دنیا میں اشاعتِ اسلام کا پہلا اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید ہے، دوسرا سبب مسلمان مبلغین کی مسلسل کوششیں اور تیسرا سبب اسلام کے ذاتی محاسن ہیں، اسلامی شریعت کے اصول اور فروع ہیں، نبی کریم ﷺ کے اخلاق اور کردار میں ایسی کشش، ایسا حسن اور ایسی سادگی اور فطرت کی ایسی آواز پائی جاتی ہے کہ کوئی بھی ایسا شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا جس نے اپنی فطرت کو مسخ نہ کر لیا ہو اور جو عصبیت میں اندھا نہ ہو گیا ہو، پھر مسلمانوں کے پاس قرآن کریم جیسی بے مثال کتاب ہے جس کی فصاحت اور تاثیر، اعجاز اور جامعیت اپنے قاری اور سامع کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے، اس کے مضامین آج بھی تازہ ہیں، پڑھنے والا بعض آیات کے بارے میں محسوس کرتا ہے کہ یہ آج ہی نازل ہوئی ہیں۔

آپ اسلام کے عقیدہ توحید کو دیکھیں، اس کی قدر آپ کو اس وقت ہوگی جب آپ دوسرے مذاہب میں "تصورِ خدا" کا مطالعہ کریں گے، عیسائیوں میں سے کسی نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، کسی نے کہا مسیح ابن مریم ہی خدا ہے، کسی نے کہا مسیح خدا کا بیٹا ہے۔

یہودی ایک خدا کو مانتے ہیں لیکن بائبل کہتی ہے کہ خدا انسانی جسم میں بھی زمین پر آسکتا ہے اور یہ کہ خدا کی ابراہام کے ساتھ رات بھر کشتی ہوتی رہی۔

مجوسی کہتے ہیں کہ خدا دو ہیں ایک نیکی کا خالق ہے اور دوسرا برائی کا خالق ہے۔

ہندوؤں میں سے بعض تین خدا مانتے ہیں اور بعض 33 کروڑ خداؤں کو مانتے ہیں وہ انسانی شرمگاہ کو بھی معبود کا درجہ دیتے ہیں ہے، چوہے اور بندر بھی ان کے ہاں بڑا تقدس رکھتے ہیں، بدھ مت اور زرتشت کو دیکھیں تو ان کے ہاں بھی خدا کا تصور موجود ہے، مگر بہت الجھا ہوا۔

لیکن اسلام میں اللہ کا تصور بالکل واضح ہے، اس کے لیے آپ قرآن کریم کی مختصر سورت سورۂ اخلاص ہی کا مطالعہ کریں۔

﴿ قل هو الله أحد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد ﴾

اللہ ایک ہے اپنی ذات میں بھی ایک ہے صفات میں بھی ایک ہے، وہ بے نیاز ہے وہ کسی بھی چیز میں کسی کا محتاج نہیں مگر اس کا ہر کوئی محتاج ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر اور شریک نہیں۔

مسلمانوں کا خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کے لیے فنا نہیں، وہ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے، اس کا نہ کوئی وزیر ہے نہ مشیر، انسانوں کی عبادت سے اس کی کبریائی میں اضافہ نہیں ہوتا اسے نہ نیند آتی ہے نہ وہ اونگھتا ہے، نہ تھکتا ہے نہ بیمار ہوتا ہے، نہ بھولتا ہے نہ خطا کرتا ہے اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جو نازیبا ہو، وہ انسانوں بلکہ ساری کائنات پر بڑا رحیم و کریم ہے، وہ ساری مخلوق کا رازق اور نگہبان ہے۔

مسلمان اسی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اسی کی اطاعت کرتے ہیں، اسی سے

ڈرتے ہیں، اسی سے محبت کرتے ہیں، اسی سے امید رکھتے ہیں، اسی سے مانگتے ہیں، ان کا جینا اور مرنا، محبت اور نفرت، نذر و نیاز اور صدقہ خیرات، دینا اور منع کرنا سب اللہ کے لیے ہوتا ہے اسی کی رضا کو وہ ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں، دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال بھی وہ صرف اللہ کے لیے کرتے ہیں۔

توحید کا یہ وہ تصور تھا جس نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی، توحید پر ایمان لانے والے ایک نئے انسان کے روپ میں دنیا کے سامنے آئے، وہ نہ مظاہر فطرت سے ڈرتے تھے اور نہ ہی قیصر و کسریٰ کو خاطر میں لاتے تھے، انہیں دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ عرب کے صحراؤں اور پہاڑوں کے دامن میں حیوانی زندگی گزارنے والوں میں انسانی اور ملکوتی صفات کہاں سے آ گئیں، اور انہیں روم و ایران کو للکارنے اور ان پر حملہ آور ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟

رومی اور فارسی عربوں کو بہت ذلیل قوم سمجھتے تھے، اسی لیے جب مسلمانوں کی فوجیں قادسیہ تک جا پہنچیں اور فارس کا نامور اور بہادر سپہ سالار مسلمانوں کے مقابلے میں بہت بڑی فوج لے کر آیا تو اس نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو عربوں کا ماضی یاد دلا کر شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی، حضرت مغیرہ نے جواب میں فرمایا تھا: ''ہاں ہم واقعی ویسے ہی تھے جیسے تم بیان کرتے ہو مگر اب ہم بدل گئے ہیں اور ہمارے اندر یہ تبدیلی ایمان کی وجہ سے آئی ہے۔''

عبادات:

عقیدہ توحید کے علاوہ آپ اسلام کے نظامِ عبادات پر نظر ڈالیں تو ان میں بھی آپ فطری حسن، سادگی اور جسم و روح کے تقاضوں کی تکمیل پائیں گے۔

اذان ہو رہی ہوتی ہے، پھر جب مراکش میں اذانِ فجر دی جاتی ہے تو فجی میں اذانِ عشاء کا وقت ہو جاتا ہے، مختصر یہ کہ پانچوں نمازوں کے یہ اوقات روئے زمین کے گرد مسلسل گھومتے رہتے ہیں اور ہر وقت کہیں نہ کہیں اذان ہوتی رہتی ہے یہ مقدس آواز ساڑھے چودہ سو سال سے دنیا میں مسلسل گونج رہی ہے۔

نماز:

وضو اور نماز کے علاوہ آپ نماز کے ارکان کا جائزہ لیں کئی حضرات نے طویل ریسرچ کرنے کے بعد تسلیم کیا ہے کہ نماز ایک بہترین ورزش ہے جو کہ بیرونی اور اندرونی اعضاء کی صحت اور خوبصورتی کا ضامن ہے، یہ نفسیاتی امراض سے بچاتی ہے، دل کو سکون ملتا ہے، انسان چاق و چوبند ہو جاتا ہے، اس کے اوقات کا انتخاب یقیناً ایسی ہستی نے کیا ہے جو ہر وقت کے اثرات کو بھی جانتی ہے اور انسان کی جسمانی اور روحانی ضروریات کو بھی جانتی ہے ان اوقات کی پابندی کرنے سے زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے، نمازی شخص شاذ و نادر ہی خودکشی کے بارے میں سوچتا ہے، جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے طبقاتی تقسیم کرنے میں مدد ملتی ہے، محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، جماعت کا نظارہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، ٹی ڈبلیو نے اسکندریہ کے ایک یہودی سعید بن حصن کا واقعہ لکھا ہے جس نے 1298ء میں اسلام قبول کیا، یہ نومسلم اپنے قبولِ اسلام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ”جمعہ کی نماز باجماعت کا جو نظارہ میں نے مسجد میں دیکھا تھا وہ میرے تبدیلِ مذہب کا فیصلہ کن سبب ثابت ہوا، ایک سخت بیماری کے دوران میں نے ایک خواب دیکھا جس میں مجھ سے ایک آواز کہہ رہی تھی کہ تم اپنے اسلام کا اعلان کر دو، اس کے بعد جب میں ایک مسجد میں داخل ہوا اور مسلمانوں کو دیکھا کہ فرشتوں کی

طرح صفیں باندھ کر کھڑے ہیں تو میرے دل سے آواز اٹھی کہ یہی وہ امت ہے جس کی آمد کی انبیاء علیہم السلام نے بشارت دی تھی، جب خطیب نمودار ہوا جو ایک سیاہ جبے میں ملبوس تھا تو میرے دل پر ایک ہیبت چھا گئی، جب اس نے اپنے خطبہ کو اس آیت کے ساتھ ختم کیا:

﴿ إن الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاى ذى القربىٰ وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تذكرون ﴾

تو میں بے حد متاثر ہوا جب نماز شروع ہوئی تو مجھے ایسا معلوم ہوا گویا مسلمان نمازیوں کی صفیں فرشتوں کی صفیں ہیں، ان کے رکوع وسجود کے وقت خدا اپنی تجلی دکھا رہا ہے اور میرے اندر سے ایک آواز مجھے کہہ رہی ہے کہ اگر خدا بنی اسرائیل سے اس تمام عرصے میں دو مرتبہ مخاطب ہوا ہے تو وہ اس امت سے ہر نماز کے وقت مخاطب ہوتا ہے، مجھے اپنے دل میں اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں تو مسلمان ہونے کے لیے پیدا ہوا تھا۔"

مشہور فرانسیسی مصنف رہنامن نے اپنے ایک مقالے میں لکھا تھا کہ "میں جب بھی کسی مسجد میں داخل ہوا ہوں تو میں نے اپنے دل میں ایک عجیب کیفیت محسوس کی ہے اور اگر اجازت ہو تو کہہ دوں کہ وہ کیفیت کیا تھی؟ وہ اس بات کی حسرت تھی کہ میں مسلمان کیوں نہیں ہوں؟"

یہ حقیقت ہے کہ نماز کی صورت میں مسلمان کا مذہب ہمیشہ اس کا ساتھ رہتا ہے اور ایسی پرکشش صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ نمازی اور تماشائی دونوں کے دل میں اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔

زکوۃ، روزہ، حج:

نماز کے علاوہ اسلام کے دوسرے بنیادی ارکان یعنی زکوۃ، روزہ اور حج کی حکمتوں اور

فوائد کا مطالعہ کیا جائے تو ضرور دل سے پکار اٹھتی ہے کہ اسلامی شریعت ہی ایسی شریعت ہے جو ہر زمانے اور ہر علاقے کے انسان کے مادی اور روحانی سارے مسائل حل کر سکتی ہے۔

زکوٰۃ ایک ایسی عبادت ہے جسے ادا کرنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، نفس بخل اور خود غرضی سے پاک ہو جاتا ہے، دل کی قساوت اور سختی دور ہو جاتی ہے، مالدار مسلمان، غریب مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کی دعائیں لیتے ہیں، اسلامی معاشرہ میں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ چند افراد عیاشی کرتے رہیں اور باقی نان جویں کو بھی ترستے رہیں، سرمایہ داروں کے بچے بیرونِ ملک مہنگے اسکولوں میں تعلیم حاصل کریں اور غریبوں کی اولاد ٹاٹ اسکولوں سے بھی محروم رہے، اصحاب ثروت اپنی معمولی بیماریوں کا علاج یورپ میں کروائیں اور غرباء مہلک بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے جھونپڑوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ واجب اور نفلی صدقات کا پورا نظام ہے، اگر اللہ کی راہ میں یا اپنے کسی فرضی دیوتا کو خوش کرنے والوں کا عالمی سطح پر جائزہ لیا جائے تو آج بھی غریبوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں، بیماروں، مذہبی اداروں اور رفاہی ہسپتالوں اور تعلیم گاہوں پر خرچ کرنے میں مسلمان پیش پیش دکھائی دیں گے۔

اسلام کے چوتھے رکن روزہ کے بارے میں آج ڈاکٹر اور سائنسدان کہہ رہے ہیں کہ اس میں جسمانی طور پر فٹ رہنے کے راز پوشیدہ ہیں، کوئی کہتا ہے کہ روزہ رکھنے سے نظامِ ہضم درست ہو جاتا ہے اور معدے میں پیدا ہونے والی زہریلی رطوبتیں ختم ہو جاتی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ معدے کے ورم اور نفسیاتی امراض کا خاتمہ ہو جاتا ہے، آنتوں کو توانائی اور آرام حاصل ہوتا ہے، روزہ ضبطِ نفس اور اپنے آپ پر قابو پانے کا بھی بہترین ذریعہ ہے،

اس کے علاوہ روزہ مسلمان کو غریب پروری بھی سکھاتا ہے اور اس کے دل میں فاقہ کشوں کے دکھ درد کا احساس بھی پیدا کرتا ہے، لیکن یاد رکھیں کہ مسلمان ڈائٹنگ اور جسمانی صحت کے لیے روزہ نہیں رکھتا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر رکھتا ہے، رمضان جو نزولِ قرآن کا مہینہ ہے دنیا بھر کے مسلمان سردی ہو یا گرمی صرف اسی مہینہ میں فرض کے طور پر روزے رکھتے ہیں، روزے کا اصل مقصد تقویٰ اور رضاء الٰہی کا حصول ہے، اسی لیے مسلمان روزہ کی حالت میں صرف پیٹ کی حفاظت نہیں کرتے بلکہ زبان، آنکھ، کان اور دوسرے تمام اعضاء کی بھی حفاظت کرتے ہیں، اگر کوئی ڈاکٹر یا حکیم کہہ دے کہ غروب آفتاب کے ایک یا دو گھنٹہ بعد افطار کرنے سے صحت پر زیادہ اچھا اثر پڑے گا تو مسلمان کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے اور افطار میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کریں گے، یونہی اگر کسی روزہ دار کو مشورہ دیا جائے کہ انتیس اور تیس کے بجائے اکتیس یا بتیس روزے رکھنے سے تم سارا سال تندرست رہو گے تو وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا کیونکہ اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے اور افطار میں دیر کرنے یا چاند نظر آنے کے بعد روزہ رکھنے سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

روزے کے بعد آپ اسلام کے پانچویں رکن حج کا جائزہ لیں اس میں کتنی کشش محبوبیت اور روحانیت پائی جاتی ہے اور یہ کشش اور روحانیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں میں پیدا کی گئی ہے، ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب مکہ اور مدینہ جانے کے لیے تڑپتا ہے، حج کے ایام میں جب پوری دنیا سے مسلمان دو سفید چادروں پر مشتمل لباس پہن کر حرم کی طرف سفر کرتے ہیں تو عجب منظر ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے اور آپ کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر منیٰ اور عرفات پر نظر ڈالیں تو یوں محسوس ہوگا کہ آسمان سے فرشتے اتر آئے ہیں، وہاں نہیں جا سکتے تو آپ ایئر پورٹ پر جا کر ہی دیکھ لیں کیسا پر اثر منظر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو عشق ومحبت کا جذبہ رکھا ہے، حج اسی مقدس جذبے کی تسکین کا ذریعہ ہے، حج، عقل اور مادیت کے پرستاروں کے خلاف نعرۂ بغاوت ہے، حج ملت حنیفی کے امام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق کی تجدید کرتا ہے، آپ حج کے ایک ایک رکن اور عمل کا بنظر غائر جائزہ لیں آپ کو ان میں بے مثال منافع ملیں گے، دنیا کے کونے کونے سے عشق ومحبت کے جذبات سے سرشار مسلمان اپنے روحانی مرکز کی طرف روانہ ہوتے ہیں، ان کا لباس ایک ہوتا ہے، ان کی منزل ایک ہوتی ہے، ان کے جذبات ایک جیسے ہوتے ہیں، ان کی زبان پر ''لبیک اللھم لبیک'' کی صورت میں ایک ہی نعرہ ہوتا ہے، وہ کعبہ کے اردگرد دیوانہ وار طواف کرتے ہیں، صفا ومروہ کی سعی کرتے ہیں، مکہ سے منیٰ، منیٰ سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ آتے ہیں عجب وارفتگی کا عالم ہوتا ہے، بلکتے ہیں، سسکتے ہیں اور اپنے مالک سے عفو ودرگزر کے طلبگار ہوتے ہیں، حج کا منظر دیکھنے والا متاثر ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔

میں نے آپ کے سامنے اسلام کے صرف پانچ بنیادی ارکان کے محاسن سرسری انداز میں بیان کیے ہیں، تفصیل میں جاؤں تو بتا سکتا ہوں کہ مبلغین اسلام نے شراب، جوا، زنا، سود اور بعض بداخلاقیوں کو جو حرام کیا ہے تو اس میں کیا حکمتیں ہیں؟ میں بتا سکتا ہوں کہ میرے آقا ﷺ دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے، دائیں کروٹ لیٹتے تھے، جو کی روٹی پسند فرماتے تھے، کھجور سے افطار کرتے تھے، صبح سویرے اٹھتے تھے، رات جلد سو جاتے تھے تیل اور کنگھی استعمال فرماتے تھے تو ان چیزوں میں کیا کیا فوائد تھے۔

اب تو مارکیٹ میں کئی کتابیں آچکی ہیں جو ان نومسلموں کے بارے میں ہیں جنہوں نے اپنے اسلام لانے کی وجہ بتائی ہے، ان میں سے کوئی عقیدۂ توحید سے متاثر ہوا، کسی کو

نماز باجماعت کے منظر نے ہدایت کا راستہ دکھایا، کسی نے روزہ، زکوۃ اور حج کی حکمتوں پر غور کیا تو کلمہ پڑھ لیا، کسی نے ہمارے آقا ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا تو اسلام قبول کر لیا، کسی نے گورے اور کالے، اعلیٰ نسب اور ادنیٰ نسب مسلمانوں میں محبت و اخوت اور مساوات دیکھی تو اسلام کی سچائی کا قائل ہو گیا، کسی نے اذان سنی تو اسے کفر سے نفرت ہو گئی، کسی نے قرآن کریم کی کسی ایک آیت میں غور و تدبر کیا تو اس کی صداقت کا قائل ہو گیا اور میرا دل کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس کافروں کو اسلام کے قریب لانے کے لیے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی سیرت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

مبلغین اسلام:

اشاعتِ اسلام کا دوسرا بڑا سبب مبلغین اسلام کی بے نظر کوششیں ہیں یہ بات تو مسلم اور غیر مسلم ہر کوئی جانتا ہے کہ اسلام ایک مشنری اور تبلیغی مذہب ہے، نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت اور نعمتِ ایمان کی برکت سے مسلمانوں میں ایسا جوش و خروش پیدا ہوا کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے تین براعظموں میں پھیل گئے حالانکہ اس وقت نقل و حمل کے تیز ترین ذرائع بھی میسر نہ تھے، توحید کی آواز جو مکہ کے بے آب و گیاہ وادی سے بلند ہوئی تھی کچھ ہی عرصہ میں افریقہ، چین، ہندوستان اور فارس و ایران کے صنم خانوں میں گونجنے لگی، ٹی ڈبلیو برچنگ آف اسلام میں تسلیم کرتا ہے کہ "روئے زمین کے اس قدر وسیع حصے میں اسلام نے جو اشاعت پائی ہے، اس کے کئی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی اسباب ہیں مگر سب سے قوی سبب اس عظیم الشان کامیابی کا یہ ہے کہ مسلمان مبلغین نے اس بارے میں ان تھک کوشش کی ہے، رسول کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے تھا، چنانچہ انھوں نے کفار اور منکرین کو دائرۂ اسلام میں لانے کے لیے اپنی قوتوں کو بے دریغ صرف کیا ہے۔"

ہمارے لیے نصیحت آموز امر یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مبلغین ایسے تھے کہ نہ تو انہیں کسی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور نہ ہی وہ کسی جماعت کے تحت کام کر رہے تھے بلکہ انسانیت کی اصلاح کا درد اور فریضۂ تبلیغ کی اہمیت کا احساس انہیں اس کام پر آمادہ کرتا تھا جیسا کہ ٹی ڈبلیو نے افریقہ کے مغربی ساحل میں اشاعتِ اسلام کے بارے میں لکھا ہے کہ

''تبلیغ کا کام مبلغوں یا معلموں کی کوئی خاص جماعت انجام نہیں دے رہی تھی بلکہ ہر ایک مسلمان اپنے مذہب کا ایک مستعد مبلغ تھا جب کبھی پانچ چھ مسلمان کسی شہر میں جمع ہوتے اور کچھ عرصے کے لیے وہاں سکونت کا ارادہ کرتے تو وہاں فوراً ایک مسجد تیار کر لیتے اور تبلیغ کا کام شروع کر دیتے۔''

مسلمانوں کو اپنے مذہب اپنی کتاب اور اپنے رہبر و رہنما کی سچائی کا یقین تھا اور یقین انسان کو بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا ہے، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد یقین اور ایمان سے سرشار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری دنیا میں پھیل گئے، وہ جہاں تک جا سکتے تھے، گئے اور انہوں نے ظلمت کدہ عالم میں ایمان کا نور پھیلایا، حضرت عقبہ بن نافع کا نام آپ نے سنا ہو گا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصر، لیبیا اور تیونس ہوتے ہوئے مراکش تک جا پہنچے تھے، مراکش میں داخل ہو کر وہ آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ افریقہ کا انتہائی مغربی ساحل، بحر ظلمات (اٹلانٹک) نظر آنے لگا، یہاں پہنچ کر انہوں نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ

"یارب لولا هذا البحر لمضيت في البلاد مجاهدا في سبيلك."

''پروردگار! اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں آپ کے راستے میں جہاد کرتا ہوا اپنا سفر جاری رکھتا۔''

اس کے بعد آپ نے اپنے گھوڑے کے اگلے پاؤں اٹلانٹک کی موجوں میں ڈالے،

اپنے ساتھیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ، ساتھیوں نے ہاتھ اٹھا دیے تو عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے یہ اثر انگیز دعا فرمائی:

اللّٰھم انی لم اخرج بطرا ولا أشرا، وانك تعلم انما نطلب السبب الذي طلبه عبدك ذو القرنین وھو ان تعبد ولا یشرك بك شيء، اللھم انا مدافعون عن دین الاسلام فكن لنا ولا تكن علینا یا ذالجلال والاكرام.

"یا اللہ! میں غرور و تکبر کے جذبے سے نہیں نکلا اور تو جانتا ہے کہ ہم اسی سبب کی تلاش میں ہیں جس کی آپ کے بندے ذوالقرنین نے جستجو کی تھی اور وہ یہ کہ دنیا میں صرف تیری عبادت ہو اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اے اللہ! ہم دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں، تو ہمارا ہو جا اور ہمارے خلاف نہ ہو، یا ذالجلال والاکرام۔"

اعلیٰ اخلاق:

دعوت اسلام کا یہ جذبہ صحابہ کرام سے تابعین میں اور تابعین سے تبع تابعین میں اور ان سے اگلی نسلوں میں منتقل ہوتا چلا گیا، ایسے مسلمان بے شمار تھے، جو تجارت، ملازمت، زراعت اور کسبِ معاش کے دوسرے ذرائع میں مصروف ہونے کے ساتھ اشاعتِ اسلام کے لیے بھی وقت نکالتے تھے ان میں سے بعض کا کردار اتنا اجلا، مالی معاملات اتنے شفاف اور اخلاق اتنے اعلیٰ ہوتے تھے کہ وہ جس ملک اور علاقے میں بھی جاتے تھے مقامی باشندے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے، جن لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی ان میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو قریب سے نہیں دیکھا تھا، لیکن جب انہیں مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور لین دین کا موقع ملا تو ان کے سینے اسلام کے لیے کھل گئے، پھر چونکہ مسلمانوں میں طبقاتی تقسیم اور حسب نسب کا

امتیاز تو ہے نہیں ان کے آقا ﷺ نے انہیں سکھایا ہے کہ گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، ایک انسان کو دوسرے پر فضیلت صرف ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہو سکتی ہے اس لیے مسلمان، مزدوروں اور نیچ نسل والوں کو اپنے دستر خوان پر بٹھانے اور اپنے سینے سے لگانے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے اس وجہ سے بھی اشاعتِ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہوا اور ایسے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے جو محض کسی نچلی ذات سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اپنے ہم مذہبوں کے ہاتھوں ظلم اور زیادتی کا شکار تھے۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اخلاقی اعتبار سے انتہائی نچلی سطح پر ہیں، ہمارا کردار کھوکھلا ہو چکا ہے، ہمارے تجارتی اور مالی معاملات انتہائی کمزور ہیں، جھوٹ بولنے، وعدہ خلافی کرنے اور ملاوٹ کرنے میں عار محسوس نہیں کی جاتی اس لیے ہماری ذات سے کوئی متاثر نہیں ہوتا بلکہ بعض غیر مسلم ہماری بد اخلاقی اور بد معاملگی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ اسلام اچھا مذہب ہے مگر مسلمان اچھے نہیں ہیں، مجھے کراچی کے ایک مستند اور معروف عالم دین کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کینیڈا گئے اور انہوں نے ایک غیر مسلم کے ہوٹل میں کھانا کھایا تو اس نے کہا مولانا! میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں مگر مقامی مسلمانوں کی بد کرداری اور بد اطواری کی وجہ سے مسلمان کہلوانا پسند نہیں کرتا، کوئی ایسی صورت بتایئے کہ میں اسلام میں داخل ہو جاؤں مگر مجھے مسلمان نہ کہا جائے۔

میرے بھائیو اور بہنو! اپنے اخلاق اور معاملات درست کیجئے، پھر دیکھئے دنیا کیسے پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں گرتی ہے۔

طاقتور روحانی شخصیات:

عام مسلمانوں اور تاجروں کے اخلاق اور معاملات کی صفائی کے علاوہ ہر دور میں ایسی

طاقتور روحانی شخصیات بھی مسلمانوں میں رہی ہیں جن کا وجود اسلام کی صداقت کی دلیل تھا۔

ان شخصیات نے اسلام کی اشاعت بھی کی اور حفاظت بھی کی، حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہٗ نے "تاریخ دعوت وعزیمت" کے نام سے کتاب تحریر کی ہے اس میں لکھا ہے کہ ابتداء ہی سے اسلام کے قلب وجگر پر ایسے حملے ہوئے ہیں کہ کوئی دوسرا مذہب ہوتا تو ختم ہو جاتا، آپ باطنیت کا حملہ دیکھیں، صلیبیوں کی یلغار اور تاتاریوں کی یورش دیکھیں، عجمی اثرات اور مشرکانہ اعمال و رسوم کا طوفان دیکھیں، عقلیت پرستی، مادیت اور الحاد کا سیلاب دیکھیں، ان میں سے کوئی بھی فتنہ جب نمودار ہوا تو کوئی طاقتور شخصیت میدان میں آگئی۔

آپ پہلی صدی ہجری پر نظر ڈالیں جب ملوکیت کی وجہ سے جاہلی رجحانات امت میں پیدا ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو پیدا کر دیا جنہوں نے خلافت راشدہ کی یادیں تازہ کر دیں۔

آپ دوسری صدی کو دیکھیں جب یونانی فلسفہ سے متاثر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی روشن خیال لوگ پیدا ہو رہے تھے اور خلق قرآن کا فتنہ عام ہو رہا تھا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اٹھے اور اس فتنے کے سامنے ڈٹ گئے انہیں جیل بھی جانا پڑا اور ایسے کوڑوں کی ضرب بھی سہنا پڑی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو وہ چیخ مار کر بھاگ جاتا، امام احمد رحمہ اللہ کی استقامت کی وجہ سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا، لوگوں کی نظر میں آپ کو ایسی عزت ملی کہ انتقال ہوا تو جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں تھی۔

آپ پانچویں صدی ہجری کو دیکھیں جب فلسفہ کے اثرات سے عقائد متزلزل ہو رہے

تھے، ظاہری احکام کی پابندی کی جاتی تھی مگر روح ختم ہو چکی تھی، امام غزالی رحمہ اللہ سامنے آئے جنہوں نے مقاصد الفلاسفہ اور تہافت الفلاسفہ لکھ کر یونانی فلسفہ کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا۔ آپ کے ھ کا جائزہ لیں جس میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسا عظیم داعی پیدا ہوا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے مثال ذہانت، تبحرِ علمی، جامعیت اور شجاعت عطا کی تھی، پھر ان کے عظیم تلامذہ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم وعمل کا کوہِ گراں تھا یعنی حافظ ابن قیم، علامہ ابن عبد الہادی، حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن رجب رحمہم اللہ۔

آپ ۱۰ ھ کے پر آشوب زمانے پر نظر ڈالیں جب لگتا تھا کہ اسلام چند روز کا مہمان ہے، جلال الدین اکبر نے دین اکبری کی بنیاد رکھ دی تھی جس میں خنزیر حلال تھا، شراب نوشی جائز تھی، آفتاب پرستی کی جاتی تھی اور ہندوانہ رسموں میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی تب حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسے صاحب عزیمت سامنے آئے جن کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان　　　　اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

ان کا اصل کارنامہ تجدید دین تھا جسے ایسی شہرت ملی کہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا۔ آپ ۱۲ ھ کا مطالعہ کریں جس میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جیسا عبقری پیدا ہوا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ دعوت الی القرآن ہے، انہوں نے جان لیا تھا کہ امت کے اخلاقی اور نظری امراض کا علاج قرآن کے مطالعہ اور تدبر کے سوا کچھ نہیں، چنانچہ انہوں نے دعوت الی القرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، خود انہوں نے اس وقت کی سرکاری زبان فارسی میں ترجمہ کیا، ان کے صاحبزادوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ نے اردو میں ترجمہ کیا، پھر شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تفسیر لکھنی شروع کی اور دہلی جیسے مرکزی شہر میں تریسٹھ سال

تک قرآن کا درس دیا۔

اس کے علاوہ برصغیر میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہم اللہ جیسے بزرگوں کی جو خدمات ہیں ان سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آخری دور میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے تبلیغی جماعت کی صورت میں جو کام کیا اس کی افادیت بھی نصف النہار کے سورج کی طرح روشن ہے۔

میرا مقصد چودہ صدیوں کے سارے بزرگوں اور سارے مبلغین کے کارنامے اور ان کا تعارف بتانا نہیں ہے میں تو اختصار کے ساتھ یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اسلام کا کوئی دور اور کوئی علاقہ بھی طاقتور روحانی، مذہبی اور تبلیغی شخصیات سے خالی نہیں رہا کسی نے خانقاہ میں بیٹھ کر اسلام کو پھیلایا، کسی نے میدانِ جہاد میں نکل کر دشمنوں کے دانت کھٹے کیے، کسی نے مسند درس کو رونق بخشی، کسی نے منبر و محراب سے نبی کریم ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کیا کسی نے میدانِ سیاست کا شہسوار ہونے کا ثبوت دیا اور کسی نے قلم اور قرطاس کو دعوت و اصلاح کا ذریعہ بنایا، بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اتنی بڑی اور اتنی زیادہ روحانی شخصیات اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ہوئیں، یہ وہ شخصیات تھیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی دعوتِ دین کے لیے وقف کر رکھی تھی، ان کی فکر و سعی دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ دنیا میں آئے ہی دعوت کے لیے ہیں، بشری تقاضوں کے لیے وہ بقدرِ ضرورت ہی وقت نکالتے تھے ورنہ ان کا جینا اور مرنا صرف دین کے لیے تھا اور حقیقت میں ایسے ہی صاحب ایثار لوگ تھے جن کی قربانیوں اور کوششوں کی بدولت اسلام کی روشنی بڑی تیزی کے ساتھ مشرق سے مغرب تک پھیل گئی۔

گمنام لوگ:

اسلام کے ان گمنام سپاہیوں میں ایسے بے شمار لوگ ہیں جن کے ناموں سے بھی کوئی واقف نہیں مگر کفر کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں ان گمنام سپاہیوں نے اپنے لہو سے حق وصداقت کے چراغ جلائے، روپے، پیسے اور مادی اسباب اور آسائشوں ہی کو سب کچھ سمجھنے والے جب ان کے کارناموں کو دیکھتے ہیں تو ان کی عقلیں ماؤف ہو کر رہ جاتی ہیں، یارب! وہ کس مٹی سے بنے ہوئے لوگ تھے جنہیں اپنے مال و جان، اہل وعیال اور سکھ چین سے زیادہ اللہ کا نام بلند کرنے اور اللہ کا گھر آباد کرنے کی فکر رہتی تھی، میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا صرف ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن کے دل میں سچی تڑپ اور لگن ہوتی ہے وہ کیسے کیسے مشکل اور ناموافق حالات میں بھی کیا کچھ کر سکتے ہیں یہ واقعہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ''دنیا میرے آگے'' میں لکھا ہے، فرماتے ہیں ''جنوبی افریقہ میں اسلام اور مسلمانوں کے داخلے کی داستان بھی بڑی پر اثر ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے۔

جنوبی افریقہ میں مسلمان:

جنوبی افریقہ میں اسلام اور مسلمانوں کے داخلے کی داستان بھی بڑی پر اثر ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اسلاف نے ہر خطے میں اسلام کی اشاعت اور تحفظ و بقا کے لیے کیسی عظیم قربانیاں دی ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، جنوبی افریقہ کی اصل آبادی سیاہ فام قبائل پر مشتمل تھی، سترہویں صدی عیسوی میں ہالینڈ کی ڈچ قوم نے ایک طرف تو جنوبی افریقہ پر اپنا تسلط

جمایا، اور دوسری طرف انہی زمانے میں ملایا اور اس کے قرب وجوار کے جزیروں کو بھی اپنے استعمار کے شکنجے میں کس لیا، ملایا اور اس کے قریبی جزیروں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور وہاں بار بار مسلمانوں کی طرف سے جہاد آزادی کی تحریکیں اٹھتی رہتی تھیں، ان تحریکوں کو ڈچ قوم نے ہمیشہ اپنی عادت کے مطابق جبر وتشدد کے ذریعے دبایا اور وہاں کے بہت سے مسلمان مجاہدین کو گرفتار کر کے غلام بنالیا۔ غلام بنانے کے باوجود ڈچ حکمرانوں کو یہ خطرہ تھا کہ یہ لوگ کسی بھی وقت بغاوت پر آمادہ ہو سکتے ہیں اس لیے ڈچ حکومت نے ان کو جلاوطن کر کے کیپ ٹاؤن بھیج دیا، تاکہ اپنے وطن سے ہزاروں میل دور رہ کر یہ لوگ بالکل بے دست و پا ہو جائیں، چنانچہ ملایا اور اس کے آس پاس کے تقریباً تین سو مجاہدین غلام بنا کر پابہ زنجیر کیپ ٹاؤن لائے گئے۔

کیپ ٹاؤن میں ملایا کے ان مسلمانوں سے بڑی پر مشقت خدمتیں لی جاتیں اور چونکہ ڈچ حکمرانوں کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کا جذبۂ حریت دراصل ان کے سینے میں جلنے والی مشعل ایمان کا مرہونِ منت ہے، اس لیے انہیں اپنے دین سے منحرف کرنے اور ان کی نسلوں کو ایمان کے نور سے محروم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، نماز پڑھنا تو بجا ان ڈچ آقاؤں کی طرف سے انہیں کلمہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، ان بے بس مسلمانوں سے دن بھر سخت مشقت لی جاتی اور اگر کوئی شخص نماز پڑھنے یا کسی اور عبادت میں مشغول ہونے کی جسارت کرتا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔

لیکن اس جبر وتشدد کے ذریعے ان غریب الوطن اور بے آسرا مسلمانوں کے دل سے ایمان کی شمع بجھائی نہ جاسکی، ظلم واستبداد کی چکی میں پسنے کے باوجود انہوں نے اپنے دین کو سینے سے لگائے رکھا اور شدید مجبوری کی اس حالت میں بھی انہوں نے نماز تک کو نہیں چھوڑا،

دن بھر محنت و مشقت کے کام کرنے کے بعد یہ اولوالعزم مجاہدین جب رات کو اپنی قیام گاہوں پر پہنچتے تو تھکن سے نڈھال ہونے کے باوجود اپنے نگرانوں کے سونے کا انتظار کرتے رہتے اور جب وہ سو جاتے تو رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر اپنی قیام گاہوں سے نکلتے اور ایک پہاڑی پر چڑھ کر وہاں دن بھر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کرتے تھے، آج کیپ ٹاؤن کا ہر مسلمان باشندہ وہ جگہ جانتا ہے جہاں یہ مغلوب و مقہور مسلمان رات کے سناٹے میں اپنے مالک کے حضور سربسجود ہوتے تھے، میں نے بھی یہ جگہ دیکھی ہے، یہ قدیم شہر سے خاصے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے، جس کے درمیان ایک کشادہ جگہ کو انہوں نے محفوظ سمجھ کر اپنے پروردگار کے سامنے سجدۂ نیاز گذارنے کے لیے منتخب کیا تھا، دن بھر شدید محنت کی تھکن سے چور ان مسلمانوں کا روزانہ یہاں آ کر نماز پڑھنا ایک ایسا مجاہدہ ہے جس کا تصور ہی آنکھوں کو پرنم کر دیتا ہے اور یہاں کی فضا میں ان خدامست مجاہدین کے ذکر و تکبیر کی مہک آج بھی محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

تقریباً اسی سال اللہ کے یہ بندے غلامی کی زنجیروں میں اسی طرح جکڑے رہے، اس پورے عرصے میں انہیں مسجد بنانا تو کجا، انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، بالآخر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ برطانیہ کے گوروں نے کیپ ٹاؤن پر حملہ کر کے یہ علاقہ ڈچ قوم سے چھیننا چاہا اور وہ ایک زبردست فوج لے کر راس امید کے ساحل تک پہنچ گئے، گویا چور کے گھر چکار آ گیا، اب ڈچ حکمرانوں کو ان انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے جانباز سپاہیوں کی ضرورت تھی جو اپنی جان پر کھیل کر ان کا راستہ روک سکیں اور جان کی قربانی دینے کے لیے ان غریب الوطن مسلمانوں سے زیادہ موزوں کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ ڈچ حکومت نے ان مجبور و مقہور مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اس جنگ میں ڈچ حکومت کا ساتھ

صرف ساتھ دیں، بلکہ انگریزوں کے مقابلے میں اس کے ہراول دستے کا کردار ادا کریں۔

اس مرحلے پر ان مسلمانوں کو پہلی بار موقع ملا کہ وہ ڈچ حکومت سے کوئی مراعات حاصل کرسکیں، لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے انہوں نے نہ کسی روپے پیسے کا مطالبہ کیا، نہ اپنے لیے کوئی اور راحت طلب کی، اس کے بجائے انہوں نے ڈچ آقاؤں سے کہا کہ اگرچہ ہمارے لیے انگریزوں اور ڈچ حکمرانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ہم آپ کی خاطر انگریزوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ ایک صورت میں پیش کرسکتے ہیں اور وہ یہ کہ اس جنگ کے اختتام پر ہمیں کیپ ٹاؤن میں ایک مسجد تعمیر کرنے اور اس میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے، ڈچ حکمرانوں نے یہ شرط منظور کرلی اور اس طرح بیسیوں مسلمانوں نے اپنی جان دے کر یہاں ایک مسجد بنانے کی اجازت حاصل کرلی، یہ جنوبی افریقہ میں پہلی مسجد تھی جو ان مجبور و مقہور ملائی مسلمانوں نے تعمیر کی۔

غیبی تائید:

اسلام کے ذاتی محاسن، مبلغین اور عام مسلمانوں کی مساعی کے علاوہ اشاعتِ اسلام کا تیسرا سبب اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید بھی ہے، ویسے تو مجاہدین کی کامیابیاں اور داعیانِ اسلام کی زبانوں میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق ہی کے نتیجے میں تھی بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ جن مسلمانوں کے دلوں میں دعوت کا ایسا جوش پایا جاتا ہے کہ وہ اس پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں تو یہ جوش اور ولولہ بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے لیکن یہاں غیبی تائید سے میرا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسے حیرت انگیز واقعات اور کرامتیں ظاہر ہوئیں کہ غیر مسلم، سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگئے، اس قسم کے واقعات تاریخ کی

کتابوں میں بے شمار ہیں مگر ایک خرابی تو ان میں یہ ہے کہ بہت سارے مؤرخین اور مصنفین کا سارا زور ہی کرامتوں کے بیان کرنے پر ہوتا ہے، ان کے نزدیک کسی کی بزرگی اور عظمت جانچنے کے لیے عملی اور اخلاقی زندگی سے زیادہ کرامتیں اور خارق العادت واقعات زیادہ اہمیت رکھتے ہیں چنانچہ وہ قوی اور ضعیف، صحیح اور غلط، دیدہ اور شنیدہ ہر قسم کی حکایات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

دوسری خرابی ان میں یہ ہے کہ بعض سننے والے عملی جدوجہد کو چھوڑ کر کرامتوں کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں، آسمان کی طرف دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی انہونا واقعہ پیش آجائے جس سے ہمیں فتح حاصل ہو جائے اور اسلام کو غلبہ نصیب ہو جائے جبکہ آسمان والا ان کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل میں ہاتھ پاؤں ہلائیں تو میں ان کی مدد کروں جیسا کہ آپ شیخ رشید الدین رحمہ اللہ کے بارے میں سن چکے ہیں کہ وہ اپنے وطن سے نکلے، سفر کیا، جان جوکھوں میں ڈال کر تو قلق خان کو دعوت دی، ایک کج دماغ نے کشتی میں جیتنے کی شرط لگائی تو اللہ کا نام لے کر اکھاڑے میں اتر آئے، خلاف توقع میدان مار لیا اور ہزاروں نے یہ زندہ کرامت دیکھ کر ایمان قبول کر لیا۔

ان دو خرابیوں کی بناء پر میں آپ کو زیادہ نہیں صرف ایک واقعہ سناتا ہوں اور یہ واقعہ میں آپ کو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم کی کتاب ''جہان دیدہ'' کے حوالے سے سنا رہا ہوں، انہوں نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ ''صحابی تو نہ تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ایک سال قبل پیدا ہوئے تھے مصر کی فتوحات میں یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں انہیں شمالی افریقہ کے باقی ماندہ حصے کی فتح کی مہم

سونپ دی تھی، یہ اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مصر سے نکل کر دادِ شجاعت دیتے ہوئے تیونس پہنچ گئے اور یہاں قیروان کا مشہور شہر بسایا جس کا واقعہ یہ ہے کہ جس جگہ آج قیروان آباد ہے وہاں بہت گھنا جنگل تھا جو درندوں سے بھرا ہوا تھا۔

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے بربریوں کے شہروں میں رہنے کی بجائے مسلمانوں کے لیے الگ شہر بسانے کے لیے یہ جگہ منتخب کی، تاکہ یہاں مسلمان مکمل اعتماد کے ساتھ اپنی قوت بڑھا سکیں، ان کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ جنگل تو درندوں اور حشرات الارض سے بھرا ہوا ہے، لیکن حضرت عقبہ کے نزدیک شہر بسانے کے لیے اس سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی، اس لیے انہوں نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا اور لشکر میں جتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے ان کو جمع کیا، یہ کل اٹھارہ صحابہ تھے، ان کے ساتھ مل کر حضرت عقبہ نے دعا کی اور اس کے بعد یہ آواز لگائی:

ایتها اسباع والحشرات نحن اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ارحلوا عنا فانا نازلون فمن وجدناه بعد قتلناه.

''اے درندو اور کیڑو! ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں، ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں ، لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ، اس کے بعد تم میں سے جو کوئی یہاں نظر آئے گا ہم اسے قتل کر دیں گے۔''

اس اعلان کا نتیجہ کیا ہوا؟ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فلم یبق منها شیء الا خرج هاربا حتی ان اسباع تحمل اولادها.

''ان جانوروں میں سے کوئی نہیں بچا جو بھاگ نہ گیا ہو، یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو اٹھائے جا رہے تھے۔''

اور مشہور مورخ اور جغرافیہ دان علامہ زکریا بن محمد قزوینی رحمہ اللہ (متوفیہ ۶۸۲ھ)
لکھتے ہیں:

فرأى الناس ذلك اليوم لم يروه قبل ذلك ، و كان السبع يحمل أشباله ، والذئب أجراءه ، والحية اولادها ، وهي خارجة سربا سربا، فحمل ذلك كثيرا من البربر على الاسلام .

"اس روز لوگوں نے ایسا عجیب نظارہ دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، کہ درندہ اپنے بچوں کو اٹھائے لے جا رہا ہے، بھیڑیا اپنے بچوں کو اور سانپ اپنے بچوں کو، یہ سب ٹولیوں کی شکل میں نکلے جا رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر بہت سے بربری مسلمان ہو گئے۔"

اگر تلوار استعمال ہوتی؟

الحمدللہ! میں نے قرآن کریم، احادیث نبویہ اور تاریخ کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، بلکہ اپنی ذاتی خوبیوں، مبلغین کی کوششوں اور مسلمانوں کے کردار و عمل سے پھیلا ہے، آخر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسپین میں مسلمانوں نے پوری شان و شوکت کے ساتھ آٹھ سو سال حکومت کی، لیکن انہوں نے کسی عیسائی کا نظریہ تبدیل کرنے کے لیے تلوار استعمال نہیں کی اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے کوئی بھی عیسائی زندہ نہ رہتا اس کے برعکس جب عیسائیوں نے اسپین پر قبضہ کیا تو انہوں نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لیے تلوار بھی استعمال کی، زندہ بھی جلایا اور ان پر ایسا تشدد کیا کہ ایک صدی گزرنے پر پورے اسپین میں کوئی ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہا۔

عالم عرب پر مسلمانوں کی حکومت کم و بیش چودہ سو سال سے چلی آ رہی ہے لیکن اس

کے باوجود وہاں ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب اب بھی مسیحی مذہب پر قائم ہیں، اور یہ قبطی عیسائی ہیں یعنی نسل درنسل عیسائی مذہب کے پیروکار ہیں، اگر اسلام نے تلوار استعمال کرنے کی اجازت دی ہوتی تو یہاں ایک عیسائی کا بھی وجود نہ ہوتا۔

ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے تک رہی ہے، اگر وہ طاقت کا استعمال کرتے تو یہاں کے سارے نہیں تو کم از کم زیادہ باشندے یقیناً اسلام پر ہوتے جبکہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں اور غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور اکثریت بھی ایسی کہ 80 فیصد آبادی ان کی ہے۔

میں آپ کو امریکی ماہنامہ ایڈوزڈ ڈائجسٹ کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ 1934ء سے 1984ء کے درمیان کے پچاس سال میں تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام تیزی سے پھیلا اور اس دوران اس کے ماننے والوں میں 235 فیصد اضافہ ہوا جب کہ مسیحیت کے ماننے والوں میں صرف 47 فیصد اضافہ ہوا حالانکہ ان پچاس سالوں میں تلوار عیسائیوں کے ہاتھ میں رہی، مسلمانوں کی تلوار تو عرصہ ہوا کند ہو چکی ہے، اگر تلوار سے مذہب کا پھیلاؤ ممکن ہوتا تو اس نصف صدی میں مسیحیت کی اشاعت زیادہ ہونی چاہیے تھی پھر یورپ اور امریکہ میں آج جو اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے تو کونسی تلوار ہے جو انہی طاقتوں کے شہریوں کو کمزور مسلمانوں کا مذہب قبول کرنے پر مجبور کر رہی ہے، میں نے گزشتہ دنوں ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا ''مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح'' یعنی یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ وہ قومیں جو مسلمانوں کے بادشاہوں ان کی حکومتوں اور مملکتوں کو فتح کر رہی ہیں، اسلام ان کو فتح کر رہا ہے حالانکہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جو قوم سیاست، عسکریت اور معیشت پر غالب ہوتی ہے لوگ اس کا مذہب قبول کرتے ہیں لیکن اقوام عالم یہ ناقابل

یقین منظر دیکھ رہی ہیں کہ اس قوم کا مذہب قبول کیا جا رہا ہے جو فوجی اور سیاسی میدان میں بظاہر شکست پر شکست کھا رہی ہے۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے:

مخالفانہ اور معاندانہ پروپیگنڈا اور مسلمانوں کی مغلوبیت کے باوجود لوگ کیسے حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں میں اس سلسلے میں آپ کو ایک انتہائی دلچسپ اور عبرت آموز واقعہ بتاتا ہوں، ابھی کچھ دیر پہلے میں آپ کے سامنے اسپین کا ذکر کر رہا تھا، اسپین کے ایک نومسلم کا واقعہ فیصل مسجد اسلام آباد کے خطیب نے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ان سے ملا ہوں وہ اسلام کے بہت پرجوش مبلغ ہیں ان کے اثر ورسوخ سے تقریباً بیس بائیس ہزار اسپینی اسلام قبول کر چکے ہیں، ان کا اسلام سے واسطہ اس طرح پڑا کہ ان سے اسپینی حکومت نے کہا کہ 1490ء میں اسپین میں مسلمانوں کا زوال ہوا تھا اس لیے 1992ء میں مسلمانوں کے زوال کا پانچ سو سالہ جشن منایا جائے اور اس بات کی خوشی منانے کا اہتمام کیا جائے کہ مسلمان یہاں سے پانچ سو سال قبل نکالے گئے تھے، ان صاحب سے کہا گیا کہ اس سلسلے میں آپ ایک کتاب مرتب کریں جس میں اس دور کے مسلمانوں کے مظالم اور ناانصافیوں کا تذکرہ ہو، جب انہوں نے مطالعہ شروع کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ عربی زبان سیکھے بغیر یہ کام ہو نہیں سکتا، چنانچہ انہوں نے عربی زبان سیکھ لی اور مسلمانوں کی تاریخ پر کام کرنا شروع کر دیا، اس کام کے دوران وہ اپنے ذاتی مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچے کہ اسپین کی تاریخ کا سنہری اور زریں دور وہ تھا جب مسلمان یہاں حاکم تھے، علوم وفنون کا چرچا ہوا، ادارے بنے، بہترین عمارتیں تعمیر ہوئیں، مفید کتابیں لکھی گئیں، نہ مسلمانوں سے پہلے اس قدر کام ہوا تھا اور نہ مسلمانوں کے بعد ہوا، یوں انہیں اسلام سے دلچسپی پیدا ہوگئی، مسلمانوں

کے کارنامے جاننے کا موقع ملا اور اسلام پر اعتماد پیدا ہونا شروع ہوا، اب انہوں نے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کیا پھر حدیث کا مطالعہ کیا اور بالآخر اسلام قبول کرلیا، اپنا سابقہ منصوبہ ادھورا چھوڑ کر اسلام کی تبلیغ میں لگ گئے، انہوں نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھا، پورا نام عبد الرحمٰن مدینہ مولیرا ہے۔

جیسے مولیرا نے اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تو وہ عبدالرحمٰن مدینہ بن گیا، یونہی جو غیر مسلم سچائی کی تلاش میں نکلے گا اور پھر گہری نظر سے اسلام کا مطالعہ کرے گا وہ مدینے والے کا غلام بن کر رہے گا، ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہم خود بھی ایسے مسلمان بن جائیں کہ ہمارے کردار اور اخلاق کو دیکھ کر حق اور سچ کے متلاشی اسلام کی طرف آئیں اور اس کے علاوہ ہم پوری دنیا میں اسلام کی دعوت کو عام کردیں۔

میں پوری بصیرت اور ذمہ داری کے ساتھ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قرآن کریم کی صورت میں جیسی عظیم، بے مثال، محفوظ، جامع، پرتاثیر اور سراپا ہدایت کتاب ہمارے پاس ہے کسی قوم اور کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔

اسلام کی صورت میں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق غرضیکہ سارے ہی شعبوں کے بارے میں مفصل ہدایات دینے والا جیسا دین مسلمانوں کے پاس ہے دنیا میں کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیثوں اور سنتوں کی صورت میں جیسا محفوظ ذخیرہ اہل اسلام کے پاس ہے کسی نبی کے ماننے والوں کے پاس نہیں ہے، یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل کے ہر حصے کی سند اپنے نبی تک ثابت نہیں کرسکتے جبکہ مسلمان اپنے نبی کے اعمال، اقوال اور احوال سند سے ثابت کرسکتے ہیں میرے جیسا کم علم

اور گناہ گار بتا سکتا ہے کہ مثال کے طور پر "إنما الأعمال بالنیات الخ" والی حدیث جو اس تک پہنچی ہے تو اس کے درمیان اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کتنے واسطے اور کتنے اساتذہ ہیں، ان کا نام ونسب کیا تھا، ان کی سیرت اور کردار کیسا تھا، وہ کس پائے کے لوگ تھے، اسی طرح یہ بھی بتا سکتا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کا چہرہ کیسا تھا؟ رخسار کیسے تھے؟ لب کیسے تھے؟ ہتھیلیاں کیسی تھیں؟ ناک کیسی تھی؟ پیشانی کیسی تھی؟ ٹھوڑی کیسی تھی؟ آنکھیں کیسی تھیں؟ پاؤں اور پاؤں کے تلوے کیسے تھے؟ ایڑیاں اور پنڈلیاں کیسی تھیں؟ آپ مسکراتے کیسے تھے؟ چلتے کیسے تھے؟ بیٹھتے کیسے تھے؟ کھاتے اور پیتے کیسے تھے؟ سوتے کیسے تھے؟ سرمہ کونسا استعمال فرماتے تھے؟ لباس کیسا زیب تن فرماتے تھے؟ نعلین کیسے تھے؟ جس اونٹنی پر سوار ہوئے اس کا نام کیا تھا؟ جس خچر اور گدھے کو مرکب بننے کا شرف حاصل ہوا اس کا نام کیا تھا؟ تلواروں کے نام کیا تھے؟ خطبہ کیسے ارشاد فرماتے تھے؟ امامت و قضا کی ذمہ داری کیسے نبھاتے تھے؟ بدر میں گئے تو کہاں تشریف فرما ہوئے؟ احد میں گئے تو صفوں کو کیسے ترتیب دیا؟ طائف میں آپ پر کیا گزری؟ حدیبیہ میں صلح کے مراحل کیسے طے ہوئے؟ خندق کی کھدائی کے وقت آپ کیا کر رہے تھے؟ حنین میں جب میدان خالی ہو گیا تو آپ کہاں تھے؟ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے لبوں پر کیا بول تھے؟ ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیا تھا؟ یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کیسے فرماتے تھے؟ دشمنوں کے ساتھ کیسا سلوک فرماتے تھے؟ غرضیکہ زندگی کیسے گزاری اور شام زندگی کا سامنا آپ نے کیسے کیا؟ ہر چیز، ہر کیفیت، ہر مرحلہ اور ہر بات پوری طرح روشن ہو کر ہمارے سامنے موجود ہے لیکن دوسرے انبیاء کا معاملہ ایسا نہیں ہے ان کی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہیں کہ ان پر تاریکی کے پردے پڑے ہوئے ہیں میں اسے ان کا عیب نہیں کہتا اصل میں وہ ایک محدود

قوم اور وقت کے لیے نبی تھے اس لیے ان کی سیرت کی دائمی حفاظت کا انتظام نہیں کیا گیا جبکہ ہمارے آقا کی نبوت سارے انسانوں سارے زمانوں اور سارے مکانوں کے لیے تھی اس لیے اس کی حفاظت کا رب تعالیٰ نے خود انتظام فرمایا اور اپنے بندوں کے دل میں اس کا داعیہ پیدا فرمایا جس کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا نے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے اقوال، احوال اور اعمال محفوظ کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

میرے بھائیو اور بہنو! کائنات کے رب کا جہاں ہم پر بہت بڑا انعام واحسان ہے کہ اس نے ہمیں بے مثال کتاب، عظیم ترین نبی اور اپنا پسندیدہ دین عطا فرمایا، وہیں ہم پر یہ بھاری ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ ہم روحانی اعتبار سے پیاسی دنیا کو سیراب ہونے کے مواقع فراہم کریں، اللہ کی کتاب ان تک پہنچائیں، رسول کریم ﷺ کے حقیقی مقام اور مرتبہ سے انہیں آگاہ کریں اور دین اسلام کی اتباع میں اللہ نے جو سکون اور دین و دنیا کے منافع رکھے ہیں ان کے بارے میں انہیں بتائیں، ذرا سی ہمت کریں اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں اور اموال دعوت اسلام میں لگائیں ایسا کرنے سے ہماری زندگی اور تجارت میں برکت ہوگی اور خود ہمارے لیے اور ہماری نسلوں کے لیے دین پر چلنا آسان ہو جائے گا، دین اسلام کو تو پھیلنا ہی ہوگا بس یہ کہ اس کی اشاعت میں ہمارا نام بھی شامل ہو جائے گا، سوچیے یہ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جس فہرست میں انبیاء، اولیاء، علماء اور شہداء کا نام ہوگا اس فہرست کے کسی گوشے میں ہمارا نام بھی آجائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خادمِ قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری

درج ذیل

مقامات پر درسِ قرآن وحدیث دیتے ہیں

- جامع مسجد توّابین، گلشنِ معمار، کراچی
(روزانہ بعد نمازِ عشاء)

- مدنی جامع مسجد، نارتھ ناظم آباد، این بلاک
(ہر اتوار بعد نمازِ مغرب)

- ”وینس لان“ بلوچ کالونی
(ہر انگریزی مہینے کا پہلا اتوار دن 12 بجے)

- ”القرآن کورسز سینٹر“ بہادر آباد
(ہر انگریزی مہینے کا دوسرا اتوار)

- خطبہ جمعہ جامع مسجد توّابین، گلشنِ معمار
(سوا ایک بجے)